بن باس

(حصہ دوم)



پروفیسر شمشیر علی خان

بن باس حصہ دوم

(تاریخ بنوں)

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

پروفیسر شمشیر علی خان ایڈووکیٹ
ایم اے ۔ بی ٹی ۔ ایل ایل بی
بنوں

نام کتاب	بَن باس (حصہ دوم)
مصنف	پروفیسر شمشیر علی خان
نقش اول	فروری 2004
تعداد	500
کمپوزر	ذیشان (سولر کمپوزنگ سنٹر)
طباعت	
قیمت	200 روپے
ملنے کا پتہ	پروفیسر شمشیر علی خان جنگی خیل کورونہ ڈی آئی خان روڈ بنوں فون: 0928-613672

فہرست موضوعات

صفحہ نمبر	موضوع	

موضوع	صفحہ نمبر

موضوع		صفحہ نمبر

تقریظ

پروفیسر شمشیر علی خان ایڈوکیٹ کی تصنیف بن باس جلد دوم آپکے ہاتھوں میں ہے یہ ان کی کتاب بنوں کی تاریخ کا تسلسل ہے آپ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں قبیلہ مروت۔ داوڑ اور وزیروں کا اجمالی ذکر وغیرہ اور چند شخصیات کے قلمی خاکے اور بعض مقامی، ملکی اور غیر ملکی امور سے متعلق اہم مواد شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔

چنانچہ اب یہی مواد اس دوسری جلد کے تقریبا 200 صفحات میں سمویا گیا ہے کتاب کئی لحاظ سے اہم اور دلچسپ ہے اس میں مصنف نے پورے اعتراف کے ساتھ میجر ایڈورڈز اور ڈاکٹر پینل کی بنوں کے بارے میں تصانیف اور تحقیقات سے بھرپور استفادہ کیا ہے جسطرح پروفیسر شمشیر خان نے لکھا ہے کہ ان دو علم دوست بیدار مغز شخصیتوں کی تحریروں کے بغیر بنوں کی تاریخ مکمل نہ ہوتی اور پروفیسر شمشیر بھی شاید ان سے استفادہ کئے بغیر یہ کتاب لکھ ہی نہ پاتے اس کتاب میں بھی پروفیسر شمشیر ایک بے فکر و بے نیاز پروفیسر سے آگے بڑھ کر ایک مورخ اور ایک محقق کے طور پر سامنے آتے ہی شمشیر کا ذہن شاعرانہ، قلم خطیبانہ اور مزاج قلندرانہ ہے اس لئے وہ تاریخ و تحقیق کے میدان میں اپنی خطابت اور ذہنی شعریت کی جوت جگانے کا قدم قدم پر مظاہرہ کرتے ہیں۔ جس سے تحریر کا حسن بہر حال بڑھ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ پڑھنے والے کی دلچسپی میں بھی کافی حد تک اضافہ ہوتا ہے۔ میں تاریخ کا طالب علم نہیں ہوں، نہ تحقیق کے میدان کا مرد۔ بنوں کے بارے میں جو کچھ تاریخی حوالے سے جانتا ہوں۔ شمشیر کی اردو تحریروں سے یا ڈاکٹر پینل کی انگریزی سوانحی حالات کے ذریعے سے باخبر ہوا ہوں۔ کبھی زمانے میں ڈاکٹر پینل کی تاریخ بنوں پڑھی تھی۔ اب وہ اور شمشیر کی وجہ سے لطف بنوں دوبالا ہو گیا ہے۔ میں کتاب پر دیباچہ باخلاصہ لکھنے کا کسی طور پر استحقاق نہیں رکھتا۔ مگر حکم دوست کی تعمیل عبادت کا درجہ رکھتی ہے خاص طور پر وہ دوست جو شمشیر بدست تو ہو ہی تھا۔ نام بھی شمشیر علی خان رکھتا ہوگا۔ اسمیں خاص طور پر بنوی لوگوں کی رسم و رواج کے بارے مین جو حصے ہیں وہ بڑے دلچسپ ہیں۔ اور مصنف نے ایک بنوی ہونے کے باوصف سب کچھ بلا کم کاست وبلا تعصب لکھ دیا ہے۔ مثلاً کتاب کا صفحہ 19 پڑھنے کے قابل ہے۔ اسمیں نسوار اور بر لب سڑک پر پیشاب کرنے

کی کیفیات و مناظر کو دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ

واہ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔

اس حصے میں وثوانی کے لئے خشک سالی کی ترکیب استعمال کی ہے۔ جبکہ میں اپنی تحریروں میں اسے دری زبان میں خشکہ شوئی یعنی ڈرائی کلنگ کا عمل کہتا ہوں۔

صفحہ 47 ایڈورڈز کے حوالے سے ایک انکشاف کے ذریعے ہوی قبائل کو جنگجویانہ صفات کو یوں بیان کیا ہے۔ جب ایدورڈز گانڈی (مروت) پہنچا۔ تو اسمیں صرف دو بوڑھے شخص تھے۔ بتایا گیا۔ کہ اس علاقے میں کوئی آدمی بوڑھا ہوتا ہی نہیں بلکہ جوانی میں ہی دشمنوں کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔

اسطرح صفحہ 75 پر ڈاکٹر پینل کے حوالے سے وزیروں کی خصوصیات کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتے ہوئے کہا ہے کہ،

اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ اس ڈاکٹر پینل کا لکھا ہوا نسخہ بجائے اس کے نسخہ کے مطابق دوائی لی جائے۔ اسے لپیٹ کر کسی چمڑے یا کپڑے میں سی کر گلے میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ پوچھنے پر بتایا جاتا ہے۔ کہ "بڑا مجرب تعویز ہے، اس سے افاقہ ہوا ہے۔ یہ پادری صاحب کا لکھا ہوا اور دیا ہوا تعویز ہے۔"

مزید لکھتے ہیں کہ، وزیر بہت مہمان نواز ہوتے ہیں۔ اور مہمان کو آدھی رات زبردستی اُٹھا کر دہنہ کھلا کر رسم مہمان نوازی کی کسر کو پورا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ بیان ہے کہ وزیر قبائل کے بچوں میں چوری کی عادت کو بچپن سے ہی رائج کرنے کی کوشش کیا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر پینل چوری اور سینہ زوری وزیروں کا خاصہ ہے۔ پیدائش کے فوراً بعد بچے کو روزن دیوار سے گزارا جاتا ہے۔ اس تاکید اور دعا کے ساتھ Be a Thief, Be a Thief

غل شہ، خدائی دِل شہ، چور ہو، خدا حامی و ناصر ہو۔

وزیر کو انعام دینا چاہو۔ تو نہین لے گا۔ مگر اس میزبان کی صبح اپنا حساب بے باک کر دے گا۔ گویا قیمتی پارچہ جات چوری کر کے وزیر چرایا چھین کر کھانے کا شوقین ہے۔

صفحہ 139 پر قائد اعظم کی ضد یا اُصول کے عنوان سے اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر شمشیر

نے ابو الکلام آزاد کے حوالے سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ ان کی وجہ سے شملہ کانفرنس ناکام ہوئی اسکی وجہ بتاتے ہیں کہ قائداعظم کانگرس کی طرف سے کسی مسلمان کو نامزد کرنے کی مخالفت کرتے ہیں۔ لگتاہے کہ یہاں شمشیر صاحب کانگرس اور ابوالکلام کے موقف کو تسلیم کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان نمائیندوں کی نامزدگی کے سلسلے میں وہ ہندو کانگرس کو مجاز ہی تسلیم نہیں کرتے تھے ان کا موقف یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کی نامزدگی مسلم لیگ کا حق ہے۔ کیونکہ وہی برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائیندہ جماعت ہے کانگرس اس بات کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔ قائداعظم کانگرس کے کھیل کو سمجھتے تھے۔ وہ شو پیس مسلمانوں کو آگے کرکے ان کے ذریعے مسلم لیگ، قائداعظم اور مسلمانوں کے موقف کو ناکام بناکر اکھنڈ بھارت کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔ قائداعظم نے اس کھیل کو سمجھ کر ناکام بنادیا تھا۔ شمشیر علی خان تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے نازک فرق کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ کانگرس تحریک آزادی کی آڑ میں مسلمانوں کو جمہوریت اور پارلیمانی نظام کے ذریعے ہمیشہ کے لئے اپنا تابع بنانے کی چال چل رہے تھے۔ بھارت میں اب بھی 18 کروڑ مسلمان رہ رہے ہیں۔ ان کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں۔

کتاب کے صفحے 143 پر غلام اسحاق خان کے کردار کی ستائش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ پاکستان کے صدر رہے تو بے نظیر اور نواز شریف کی حکومتیں ان کے اعلیٰ معیار پر نہ اتر سکیں۔ تو دونوں حکومتوں کو انہوں نے برطرف کردیا۔ یہ درست ہےکہ دونوں منتخب حکومتیں بدعنوان اور اقرباپروری کی مرتکب ہوئی تھیں۔ سپریم کورٹ نے ان الزامات کو صحیح تسلیم بھی کیا تھا۔ مگر یہاں سوال غلام اسحاق کے "اعلیٰ معیار کا کوئی سوال نہیں غلام اسحاق خان کونسے اعلیٰ معیار کے تحت صدر مملکت بنے تھے۔ اس نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف سازش کرکے اور اس میں شریک ہوکر نہ صرف ایک منتخب وزیراعظم اور پارلیمنٹ کا تختہ الٹوادیا تھا۔ بلکہ ضیاء الحق کے ہاتھوں اس کے قتل میں بھی برابر کے شریک تھے۔ ایک سول سرونٹ کس طرح کا صدر مملکت بن جاتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر میرٹ اور اعلیٰ کردار اور معیار کرتا ہے۔ پاکستانی تاریخ کے المیے میں غلام اسحاق خان محلاتی سازشوں کا ایک کامیاب اور ذاتی غرض کا تابع ایک بے رحم، بے وفا بیورو

کر یٹ جن کے ملٹری بیورو کریسی سے مل کر اس وطن کے سب سے ذہین سپوت کو تختہ دار پر لٹکوا کر اس ملک و قوم کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا اور تاریخ اس کے ان جرائم کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

یہ کتاب شمشیر خان کے جذبے جمال اور فکر کی آئینہ دار ہے جو کچھ اس کے اندر ہے اس نے اسے سینہ قرطاس میں کاشت کر دیا ہے۔ تحریر کے ایک ایک حرف میں آپ کا خلوص بولتا ہے آپ نے کہیں اپنی خیالات کے جگنو جگمگائے ہیں مگر یہ سب ایک فطری اور غیر نمائش و آرائشی انداز میں ہوا ہے۔ اسکی تحریر میں کہیں کہیں کچی نیند کے خمار اور رت جگا بھی ملتا ہے۔ شرینی، تلخی ہی میں ڈھلتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ اس کے اسلوب کا حصہ ہے۔ میں اس کتاب کی اشاعت کو آپ کا ایک نیا کارنامہ قرار دیتا ہوں۔ آپ کے بارے میں مزید کچھ کہنے سے اس لئے بھی قاصر ہوں کہ اس کے اندر میں بھی جگہ جگہ موجود ہوں۔ میری تحریروں اور میرے ذکر سے شمشیر نے اس کتاب کو بوجھل بنانے کی کوشش کی ہے۔ جس کے لئے میں قائین سے معذرت خواہ ہوں۔

ظہور احمد اعوان

تمہید

تمسخر اور تفاخر یا تقویٰ

مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن کہ وہ لوگ اُن سے بہتر ہوں اور نہ ہی عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ اُن سے اچھی ہوں۔ اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

(پارہ 26 سورۃ الحجرات 46 آیت 13)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا اور ان سب سے خبردار ہے۔ (القرآن)

زندگی و موت عروج و زوال کی حقیقت

فنا کی نیند ے زندگی کی مستی ہے

جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

وداعِ غنچہ میں ہے راز افرنیش گل

عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے

(اقبالؔ)

بن باس

"جلد دوم"

بن باس جلد دوم کے بارے میں

بن باس جلد اول کی صفحات بڑھ جانے کے پیش نظر کچھ عنوانات مثلاً قبیلہ مروت، داوڑ اور وزیروں کا اجمالی ذکر وغیرہ چند سیاسی شخصیات کے قلمی خاکے اور بعض مقامی، ملکی اور غیر ملکی امور سے متعلق اہم مواد شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ اب کی بار ان سب کو بن باس جلد دوم کی زینت بنایا جارہا ہے۔ اُمید ہے کہ جلد دوم مصنف کی کوشش اور کاوش کے نتیجے میں لاثانی ہوگی۔ مزید میری ہر جنبش قلم قوم کی اصلاح احوال کے لئے وقف ہے۔ جن کے لئے میں نے تنقید اور تبصرہ کا سہارا لیا ہے۔ خدا کرے کہ میری تنقید اور تبصرہ کی یہ تخلیقی کاوش اور اصلاح واحوال کے لئے بار آور ثابت ہوں۔ کیونکہ یہ میرے مذاق شوق کا آئینہ دار ہے۔

میرے مذاق شوق کا اس میں بھرا ہے رنگ
میں خود کو دیکھتا ہوں کہ تصویر یار کو

انتہائے مقصد

ہُن باس کا ہر حروف میرے خون جگر کا مر ہون منت ہے جس سے جو بھی نقش اور تصویر اُبھری ہے وہ میری آنسوؤں اور آہوں کا پروردہ ہے۔ گویاہُن باس محض عبارت آرائی اور تکرار تاریخ کی کتاب ہی نہیں بلکہ میرے سرمایہ زیست کا نچوڑ ہے۔ جسکی عبارت کو عبادت اور عبرت نامہ سمجھا جائے اور بس۔

؎ میرے ہی خدوخال ہیں میرے تمام حروف
میں نے کیا ہے خود تماشہ کتاب میں

لہٰذا ہُن باس وہ مے خود کشید ہے، جو میری تلخ آنسوؤں کا ثمر ہے اور میرے اپنے اندازِ بیاں کا نتیجہ ہے۔ ورنہ

؎ سیفؔ۔ اندازِ بیاں بات بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

تنسیب

مَن باس

ذیل کے مجاہدین اور مجدّ دین کے نام نامی معنون کرتا ہوں۔ جو کہ کاروان آزادی کے روحِ رواں سمجھے جاتے ہیں۔

۱) جناب شاہ ولی اللہ ؒ امام انقلاب

۲) جناب محمود الحسن شیخ الہند اسیرِ مالٹا (جزیرہ انڈ یمن)

۳) جناب حسین احمد مدنی ؒ سالار سیاست

۴) حاجی ترنگزئی ؒ سالارِ قافلہ مجاہدین

۵) عبدالغفار خان فخرِ افغان رہبر اعظم تحریک خدائی خدمت گار

۶) حاجی میرز علی خان فقیر آف ایپی مجاہد اعظم

وطنیّت او ر

ان تازہ خداؤں میں سب سے بڑا وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
رہ بحر میں آزادِ وطن صورت ماہی
دے تُو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

(اقبال)

تاجر ایمان بمقابلہ تاجر عصمت

ہوتا ہے کیوں تاجر ایمان معزز
عصمت کی تجارت سے کیوں فاحشہ بدنام
کیوں تاجر ایمان سے تعرض نہیں ہوتا
تاجر عصمت کے مقدر میں ہے دشنام

(طاہر کلاچوی)

مکتوب : حفیظ جالندھری 31 جون 1968ء

مکرم جناب !ایم شمشیر علی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون

عنوان : غزل اور غزل گو۔ کے تحت آپ کا بہت ہی شستہ رختہ مضمون روزنامہ جنگ کی اشاعت مورخہ ۱۳ جون بغور اور بشوق مطالعہ کیا۔ آپ نے غزل اور غزل گو شعراء کو چند سطور کے ذریعے اپنے حلقہ خیال میں لے لیا ہے۔ یہ مضمون اگرچہ بہت ہی مختصر ہے۔ مگر آپ نے اختصار میں جامعیت دکھادی ہے۔ آپ نے یہ بالکل میرے قلب کی بات بزبان قلم کاغذ پر رکھ دی ہے کہ غزل کا آرٹ غیر تخلیقی نہیں اور نہ سکونی ہے۔ اسمیں زندگی ہے۔ جان ہے حرکت اور نمو اس کی فطرت ہے۔ اس لئے اس کے معنی آفرینیوں کی کوئی حد نہیں۔ پھر آپ نے زندگی علم و حکمت اور غزل کی ترقی یافتگی کے بارے میں نئے تقاضوں کی طرف بھی لطیف اشارہ کیا ہے اور یہ بھی سچ فرمایا ہے کہ غزل گو شعراء اس وقت تک اپنے فن سے مطمئن نہیں ہوتے۔ جب تک وہ اس کی رنگ آمیزی میں خونِ جگر کی آمیزش نہ کرے۔ وہ اپنے فن کو ادھورا اور نامکمل خیال کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے ساز میں صاحب ساز کا لہو شامل ہونا چاہیئے۔

میں نے آپ کے اس قابل قدر مقالے کے چند جملے اس بنا پر لکھ دیئے ہیں کہ آپ کم از کم یہ جان لیں کہ کہنہ سال شاعر (جو غزل گو بھی ہے اور دوسری پرانی اضاف کے ساتھ نئی اصناف کا مخترع بھی جانا گردانا گیا ہے) آپ کا کس قدر ہم خیال ہے ملک اشعراء گرامی صاحب نے کہا تھا کہ شعر با مدرسہ کہ برد مگر حفیظ کہتا ہے اے اہل مدرسہ بیا وریدبدیں جا بود سخن دانے چنانچہ الحمد اللہ چند اور بھی ہیں۔ آپ بھی مل گئے ہیں ضعیف انگلیوں سے یہ سطور گھسیٹ رہا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ جس غزل اور جن جدید غزل گو شعراء عالی قدر کا تذکرہ آپ نے فرمایا ہے ان میں کتنے ہیں۔ جو تحسین باہمی کی انجمن کے سہارے نمودار ہیں۔ اور کتنے خونِ جگر کو بروئے کار لاتے ہیں۔

میرے پیارے اُستاد/پروفیسر صاحب محض ادعا سے مدعا سامنے نہیں آجاتا۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں میں تو محض یہ چاہتا ہوں کہ آپ ایسا نبض شناس اور منصف ہاؤ ہو اور شور اور شر سے

بے نیاز ہو کر زندہ شاعروں میں سے ان کو سامنے لائیں جو معیاری ہیں۔ باقی رہیں۔
نظم گو شعراء کرام میری رائے یہ ہے کہ نظم، نغمہ، گیت، نوحہ، ترانے، کچھ بھی ہو جب تک غزل پر شاعر حاوی نہیں۔ نظم میں شاعر تاثر پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ خدا کرے کہ آپ کو اس بارے میں مجھ سے اختلاف نہ ہو۔ غزل شاعری کی جان ہے۔ میں نے یہ سطور ایک جذبہ بے ساختہ سے دھر گھسیٹی ہیں۔ علیل ہوں مگر آپ کا مقالہ پڑھنے کے بعد چپ نہ رہا گیا۔ یہ واہ کا مقام تھا۔

دعاء گو حفیظ ۱۳ جون ۱۹۶۸ء

ڈاکٹر ظہور احمد کا کالم

تاثرات ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے۔ جبکہ مصنف ہسپتال میں صاحب فراش تھا۔ تارِ حیات ٹوٹنے کو تھا۔ یہ تاثرات ایک کالم کی صورت میں روزنامہ آج میں ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۱ء منصہ شہود پر آئے تھے۔

کالم کا عنوان : ”مٹی سے کھیلتے ہو بار بار کس لئے“

کل وہ اور میں بیٹھے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ دنیا جہاں کی باتیں، خدا کی باتیں، خداؤں کی باتیں، ارسطو، افلاطون اور انسانیت کے دکھ درد کی باتیں۔ آج وہ پیپل کے پتے کی طرح لرز لرز کر شاخ شجر سے ٹوٹ رہا ہے۔ میرا شیر دل دوست۔ ہوں شہر کا شمشیر علی خان اور زیست کی جنگ لڑ رہا ہے۔ میری آنکھوں سے اشکِ رواں کی لہریں چھوٹ رہی ہیں۔ میں بھی بے بس۔ وہ بھی بے بس۔ سرکاری ہسپتال کے گندے پرائیوٹ کمرے کے میلے کچیلے بستر کی شکنیں ہیں۔ خوفناک غلام گردش کی مرگ آسا چاپ ہے۔ چاروں طرف آہ و بکا کی فریادیں ہیں۔ اور پروفیسر شمشیر کا آنسوؤں سے تربتر سفید ریش چہرہ ہے۔ بیٹھے بٹھائے ساں و گماں اسے ایک روگ آکر چمٹا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ درد ہے دور ہو جائیگا۔ پھر وہ اسے اندر لے گئے۔ پتہ نہیں کتنی دیر اندر رکھا شاید اندر روشنی ہو مگر باہر ہماری دنیا اندھیر تھی۔ ہر طرف موت کا رقص تھا۔ جدھر دھیان جاتا چیخ ہی سنائی دیتی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ ہسپتال ہیں یا قتل گاہ ہیں۔ یہ معبد ہرگز نہیں۔ معبدوں میں تو خاموشی ہوتی ہے یہاں تو شور ہے ہنگامہ، دارو گیر ہے، زندگی کے تعاقب میں موت، موت کے تعاقب میں خنجر بدست معالج و مسیحا، زندگی اور موت کی یہ جنگ ہر بڑے ہسپتال کے برآمدوں، کمروں اور آپریشن تھیٹروں میں مسلسل جاری ہے۔ پاکستان کے قدیم ترین شہر کے وسط میں نسب مریضوں اور ڈاکٹروں کا ایک جنگل آباد ہو چکا ہے............

میں نے وہاں ایک پھول والے سے پوچھا، تم یہاں کیا کر رہے ہو یہاں پھولوں کے گجرے کون خریدے گا یہاں سے تو جنازے اُٹھ رہے ہیں۔ وہ دیکھ لٹا گھر کسی کا وہ چیختی ہوئی منجی پر

ایک ٹھنڈی لاش واپسی کی منتظر ہے۔ اس کے ارد گرد دیکھو سوزوکی ڈاٹسن والوں کا ہجوم ہے۔ ایمبولینس والے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ سٹریچر پر لاش کو باہر لانے والے میلے کچیلے سرکاری اہل کار اپنی ٹپ کاالگ انتظار کر رہے ہیں۔ لاش کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں۔ لواحقین کی آنکھوں میں اندھیرا اور آنسو ہیں۔ پھول والے نے کہا۔ بابو روٹی کا مسئلہ ہے۔ لاش کی روٹی ختم ہماری توباقی ہے۔ اگر پھول نہ بیچیں لاش نہ اُدھیڑیں کیا کریں۔ خود بھی لاش بن جائیں۔

میں نے پھول لئے بغیر اسے پیسے دیئے میں پھول لے کر شمشیر علی خان کے پاس تو نہیں جاسکتا جاتا بھی کیسے، وہ توکسی آپریشن تھیٹر لرزہ طاری کر دینے والی پراسرار خاموشیوں میں زندگی کی آخری جنگ لڑ رہا تھا۔

رات آخری مرتبہ اس سے جُدا ہوتے وقت اس نے میرا ہاتھ بڑے پیار سے تھاما تھا۔ ظہور میرے لئے دُعا کرنا میں نے فرطِ غم سے اپنا ماتھا اِس کے ماتھے سے رگڑا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے ننّھے ننّھے قطرے تھے۔ وہ بہادر اور جیدار آدمی تھا۔ اس نے ساری زندگی اُصولوں کی جنگ کی تھی۔ دولت نہیں کمائی تھی۔ احترام کمایا تھا۔ ساری زندگی عبادت کرتا رہا تھا۔ قوم کے بچوں کو علم کی دولت سے آراستہ کرنے کی پیمبرانہ عبادت میں اس سے کہا کہ شمشیر تمہیں دعاؤں کی نہیں بلکہ تمھاری دعاؤں کی ہمیں اور اس زمانے کو ضرورت ہے۔ اسکی سفید داڑھی طمانیت کی چاندی سے دمک رہی تھی۔ شمشیر میرا بہت پرانا دوست ہے۔ جب ایک مارشل لائی سزا کاٹنے کے لئے مجھے پاڑہ چنار سے پورن چیکر اور پھر وہاں سے ڈیرہ اسماعیل خان صورت شٹل کاک بے یارو مددگار بلا تنخواہ بھیجا گیا تو ڈیرہ میں میرا ایک ہی دوست تھا۔ یہ وہ دن تھے۔ جب زمانے کی نامساعدت کے ہاتھوں پگھل کر میں خود اپنی زندگی کے سراب کو دریائے سندھ گھورنے پر آمادہ تھا۔ تب شمشیر کا ہاتھ دریا کے کنارے بھی میرے کندھے پر پہنچ جاتا۔ وہ مجھے زندگی کی خوبصورتیوں سے آگاہ کرتا اپنے قلم اور مشن کی یاد دلاتا وہ مجھے کہتا کہ تم ہم یہ سب لوگ خود نہیں آئے لائے اور بھیجے گئے ہیں۔ ہر ایک نے ایک رول ادا کرنا ہے۔ تمھاری آزمائش کا دور ہے۔ آزمائش سے بھاگتے ہو! وہ مجھے تازہ دم کر کے پھر زندگی سے لڑوانے کے لئے میدان میں لے آتا۔

شمشیر اندھیرے میں میرے لئے روشنی کی ایک انمٹ کرن تھا۔ آج وہ خود اندھیروں

سے نبرد آزما تھا۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے وہ آپریشن تھیٹر کے اندر تھا۔ باہر اس کے بچوں اور دوستوں کی جان لبوں پر تھی نیند تو کئی راتوں سے غائب تھی۔ آنسو بس رہے تھے۔

ایک شریف النفس، دیانتدار، محنت کش اُستاد کی واپسی کا انتظار تھا کئی گھنٹوں کے جان لیوا اضطراب کے بعد وہ بے ہوشی کے عالم میں لوٹا۔ تو سب کی چیخیں نکل گئی۔ اسے بھی پتہ نہ تھا۔ ڈاکٹروں نے اس کو بچانے کے لئے اس کی ایک ٹانگ پوری کاٹ لی تھی۔ وہ شیر دل بوڑھا بزرگ ہماری آنکھوں کے سامنے اپاہج ہو گیا تھا۔ کھلونے کی ایک ٹانگ نوچ لی گئی تھی۔

میں شمشیر کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ صرف اس کے بیٹوں کے سینوں سے لگ کر روتا رہا۔ ان کی بھی ہچکیاں بندھ گئیں۔ میری بھی حالت بگڑ گئی۔ انہوں نے مجھے کہا سر آپ جائیں۔ شمشیر شاید ایک ٹانگ کے ساتھ جی لے مگر آپ کو کچھ ہو گیا تو وہ بچ نہیں پائے گا۔ انہوں نے مجھے شمشیر کے پاس جانے نہیں دیا۔ میں روتا ہوا ہسپتال سے نکل رہا تھا۔ تو مجھے راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گیٹ کے پاس وہ پھول والا مجھے پھر ملا۔ میں نے اس سے چند ہار خرید لئے۔ اور باہر نکل کر اس بھکاری کے گلے میں ڈال دئیے جسکی دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی تھیں۔ جو اپنا کشکول کٹے ہوئے حصوں پر سجا کر بھیک مانگ رہا تھا۔

مترجم کا کام اور مقام

دراصل مترجم کا کام لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا نہیں ہوتا بلکہ مصنف کے اسلوب اور زبان کی طاقت کو اپنی زبان میں محفوظ کرنا ہے۔ اس وجہ سے امریکہ میں ترجمے کو Recreation یعنی تخلیق سمجھا جاتا ہے۔ گویا لفظ کی جگہ مترادف لفظ لانا نہیں بلکہ لفظ کے اندر جو مخفی معنی اور مفہوم پنہاں ہوتا ہے اور جسے عرفِ عام میں روح معانی کہا جاتا ہے۔ منتقل کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ قاری اسے سمجھ سکے۔ اور یہ کام مترجم کا بنتا ہے کہ وہ مصنف کا اصل مقصد اور جذبے کو اپنی تخلیقی کاوش کا حصہ بنا کر اسے عام فہم انداز میں اُجاگر کرے۔

فلوبیر ایک فرانسیسی دانشور کے قول کے مطابق دنیا میں کسی بھی زبان میں کسی بھی لفظ کا مترادف موجود نہیں۔ چہ جائیکہ ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں ہو۔

مزید وضاحت اور مثال سے شاید میں یہ اہم امر قاری کو ذہن نشین کرا سکوں۔

"ہر نقش کاغذی پیرہن میں پنہاں اور فریادی ہوتا ہے"

جو اظہار چاہتا ہے چاہے مترجم اپنی تخلیقی کاوش اور حسنِ بصیرت کے وصیلے سے اس روپوش شخص کو سمجھے اور سمجھائے۔

کیونکہ ہر لفظ مصنف کا سفیر ہوتا ہے۔ اور اس کے مطالب کی تعبیر بھی۔

اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں پایا

اشعار میں سنتے ہیں کچھ کچھ وہ نمایاں ہیں

ایک اور مثال سے مزید وضاحت کروں۔ ہر لفظ کو بادام کا دانہ کہا جائے۔ بادام نگل کر کھایا نہیں جاتا بلکہ اس کے خول کو توڑ کر اس کے اندر کا گودا / مغز اور مفہوم کو برآمد کر کے کھایا جائے یہی کام مترجم کا بھی ہے۔

کتاب ہٰذا کے لئے راقم الحروف نے دو مغربی مصنفین کے کچھ آراء اور چیدہ چیدہ اقتباسات اخذ کر کے ان کا آزاد ترجمہ کیا۔ خاص طور پر اے ایر آن دی پنجاب فرنٹیر اور امنگ دی وائلڈ ٹرائبز آف دی افغان فرنٹیر (ڈاکٹر پینل) جن میں دونوں مصنفین نے اپنے اپنے مشاہدات اور تجربات کی عکس بندی کی ہے۔ ان دونوں کتابوں سے میں نے بھرپور استفادہ کیا۔ اب یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ میں کہاں تک اپنی مقصد اور کاوش میں کامیاب ہوا ہوں اور کہاں تک روح معانی کا تقاضا پورا کیا ہے۔

"بنوں اور بابر"

بابر نامہ میں بنوں کا ذکر ہے بابر کے مطابق بنوں خاص پر کیرانی۔ کیوی اور سور قابض تھے کرانی میں میرا خیل، اسماعیل خیل جبکہ سور سے مراد موجودہ علاقہ سورانی ہے۔ بابر نامہ میں Niris کا ذکر بھی ملتا ہے جس سے علاقہ نار مراد ہے۔ کیوی شنک کی اولاد میں سے تھا۔ یہ شنک کا بڑا بیٹا تھا۔ سور شنک کا فرزند دوم تھا 20 ہزار لشکر لے کر بنوں آیا۔ ان کے ہمراہ اولادِ شاہ محمد روحانی کا فرزند نیک بین شاہ بھی تھا۔ جو قوم کے لحاظ سے سیّد تھا۔ انہوں نے قبیلہ مینگل اور قبیلہ ہنی کو بنوں سے بے دخل کر دیا۔ یہ واقعہ تیرھویں صدی کے آغاز یا بارھویں صدی کے اختتام پر رونما ہوا تھا۔ امیر معاویہ کے عہد خلافت کے دوران یعنی 42ھ مہلب بن ابو صغریٰ نامی گورنر بنوں آیا وہ زبردست فوجی قوت کے ساتھ بنوں آیا تھا۔ اُن کے ساتھ یاسر بن سوار بن مر عبدی، عبداللہ بن سوار عبدی اور سنان بن مسلمہ مزدجی بھی تھے۔ اور آکرہ کے مقام پر ہندوؤں سے نبرد آزما ہوا تھا اور وہاں سے ہندوستان کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ ان دنوں بنوں میں مضبوط فوج ہوا کرتی تھی۔ اس کا تفصیلی ذکر فتوح البلدان از ملابلاذری میں درج ہے۔ حضرت سنان بن مسلمہ کی قبر آج بھی اصحاب بابا کے نام پشاور میں موجود ہے۔

"اظہار سپاس"

میجر ایڈورڈز اور ڈاکٹر پینل کا تذکرہ (بنوں کے حوالے سے)

میجر ایڈورڈز بنوں میں بطور نائب نگران دوبار آیا ایک بہار کے موسم میں 1847ء میں اور دوسری بار دسمبر 1847ء میں اس دوران انہوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات ڈائری کی صورت میں سپرد قلم کیے۔ بعد ازاں اُنہیں یکجا کر کے کتابی شکل میں منصۂ شہود پر لے آیا۔ اے ایر آن دی پنجاب، فرنٹیئر نام دیا۔ اگر یہ ڈائری نما کتاب نہ لکھا جاتا تو بنوں کی موجودہ تاریخ ادھوری رہ جاتی۔ انہوں نے اگر ایک طرف وزیروں پر احسانات کیے۔ اور ساون خان وزیر کو خلقت فاخرہ سے نوازتے ہوئے اُنھیں نوابی اور وزیر کا خطاب دیا۔ اور وزیروں کو ان اراضی کا

مالک اور حقدار ٹھہرایا۔ جو پانچ سالوں سے وزیروں کے تصرف میں تھی تو دوسری طرف خاص قانون وضع کر کے ان بنویان کو بارِ لگان سے آزاد کر دیا جن کی اراضی رہن ہو چکی تھی مزید حقوق ملکیت اراضی کے لئے قوانین بنائے گئے۔ اور جسکی لاٹھی اُسکی بھینس والا جنگل کا قانون ختم کر دیا امن وامان قائم ہوا وزیروں کو مزید تجاوز کرنے سے روکا گیا۔ ورنہ وہ اب آسانی کے ساتھ بنویان کو آہستہ آہستہ اراضی ملکیت سے بے دخل کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر پینل تقریباً دو دہائی تک 1898ء تا 1912ء بنوں میں رہا اور اس دوران وزیروں کے شب وروز، روایات معاشی اور معاشرتی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کیا اور اپنی ایک کتاب امنگ دی وائلڈ ٹرائبز مرتب کیا۔ اور اس طرح بنوں کی تاریخ کا حصہ قرار دیا گیا۔

تنقید اور اصلاح احوال

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں

جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

تنقید کے بغیر اصلاح احوال گو ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے گویا تنقید ایک ہنر ایک معجزہ وضربِ کلیمی ایک تازیانہ ہے۔ جس کے ذریعے قوم کے اندر اُبھار آجاتا ہے تنقید اور اصلاح احوال لازم وملزوم ہے۔ معاشرتی معمولات اور روزمرہ کے معاملات کسی قوم اور قبیلہ کی انفرادی اور اجتماعی ترجیحات اور مکروہات کی عکس بندی کرتا ہے۔ جن سے اس قوم کی پستی اور ہستی کی نشاندہی ہو جاتی ہے اور اس لئے اُنہیں ضبطِ بحث لاکر کسی بھی قوم کی کجی اور نوک پلک درست کرنے اور اسے سنوارنے میں مدد ملتی ہے اگر کسی قوم وقبیلہ کے ساتھ دلی لگن ہو عشق ہو تو اُسے چاہیئے کہ اُس قوم کی ہر جنبش اور ہر حرکت کی ناقدانہ جائزہ لیا کرے بظاہر یہ ایک کٹھن مرحلہ ہوتا ہے اور تنقید کرنے والا خود ہدف تنقید بن جاتا ہے مگر جس کسی کے دل میں کسی بھی قوم کے لئے تڑپ اور اور درد ہو تو وہ شخص اس امر کی پرواہ نہیں کیا کرتا کہ اسے کن مشکلات اور کن انگاروں پر سے گزرنا پڑ رہا ہے وہ جرات اظہار کر کے قطع وبرید اور تنقید کے ذریعے سے اصلاح احوال کا پیغمبرانہ فریضہ انجام دینے کی سعی کرتا ہے۔

؎ تنقید حسنِ مصلحت خاص عشق ہے
یہ جرم گاہ گاہ کئے جا رہا ہوں میں

" رسم ورواج " تنقیدی جائزہ

رسم ورواج

رسم ورواج زندگی نبھانے کے سانچے اور مختلف طور طریقے کا نام ہیں زندگی گزارنے اور نبھانے کے مختلف طور طریقے ہوتے ہیں۔ جنہیں عرفِ عام میں پیمانہ یا سانچہ کہا جاتا ہے ان پیمانوں اور سانچوں اور طور طریقوں کے تین بڑے بڑے ماخذ ہیں۔

۱) طبعی/قدرتی یا فطرتی ۲) مذہب ۳) تقلید

طبعی طور طریقے قدرت کے سکھائے ہوئے ہوتے ہیں جو بحالت ضرورت اور طبعی حالات کے باعث مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تخلیق پاتے ہیں ان سے فرار ممکن نہیں۔ تو بھی انہیں برتنے اور نبھانے کا مسئلہ غور طلب ہوتا ہے اور ان میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔

مذہب

مذہبی طور طریقے اور رسم ورواج زندگی کا منشور ہے اور دستور بھی۔ جن سے دونوں جہاں کا بھلا ہوتا ہے۔ مگر مذہبی جنوں اور مذہبی تعصب نہ صرف وبالِ جاں بن جاتا ہے بلکہ مذہب کا سرچشمہ اور منبعِ محبت ہے، نفرت نہیں، جسے مذہبی اصطلاح میں ایمان اور ایقانِ محکم کہا جاتا ہے سارے انبیاء کرام اور مرسلین اسی مشن کی ترسیل و تکمیل پر مامور تھے۔

تقلید

تقلید کی روش اتنی بری بھی نہیں مگر بظاہر کسی امیر وترقی یافتہ قوم کی اندھی تقلید تباہی کی تمہید ہوتی ہے۔ یہاں احتیاط برتنا اور تدبر اختیار کرنا ضروری ہے ورنہ تقلید خودکشی کا دوسرا نام بن جاتا ہے۔

؎ تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
راستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

''ملک نمبل آف حسن خیل عیسکی کا حشر و نشر''

ملک نمبل حسن خیل عیسکی کا ملک تھا بڑا جیدار اور دلاور شخص تھا محب وطن اور آزادی کا متوالا تھا وہ پانچ بیٹوں کا باپ تھا اور متعدد پوتے رکھتا تھا۔ دیگر بویان کی طرح سکھوں کے مقابلے میں غازی دلاسہ خان کا ہم خیال ہم نوا اور مددگار تھا۔ وہ دلاسا خان کا مالی اور افرادی امداد کرتا رہا جب سکھوں کی طرف سے (خالصہ دربار) ایڈورڈز کو بطور نائب نگران حاکم مقرر ہوا۔ آتے ہی بویان کو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے اپنے گاؤں کی دیوہیکل فصیلوں کو گرانے کو کہا ایڈورڈز نے دو عدد گرجا گھر بھی تعمیر کروائے تاکہ یہاں عیسائیت پھیلانے اور عیسائی حضرات اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کر سکیں۔

ملک نمبل سے نہ رہا گیا۔ اپنے بڑے بیٹے عیسیٰ خان کو ایڈورڈز کے قتل کرنے پر مامور کیا۔ عیسیٰ خان حکم کی تعمیل میں اور شوق شہادت کی خاطر اس خطرناک مہم پر روانہ ہوا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ وہ گرفتار ہوا اور بعد میں ضروری عدالتی کاروائی کے بعد پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

چند دن بعد ایک اور شخص ضابطہ خان سکنہ حسن خیل نے بھی ایڈورڈز پر خودکش حملہ کیا مگر ایڈورڈز کے محافظوں نے اس پر تلواروں سے حملہ کر کے اُسے قیمہ بنا دیا گیا۔ مگر پھر بھی صبح تک زندہ رہا۔

اس واقعہ کو بھی ملک نمبل خان کی طرف منسوب کیا گیا۔ بعد میں ملک جنگباز خان اور اس کے دو بیٹے لعل باز خان اور درب خان سکنہ بازار احمد خان نے اس کے چچازاد بھائی فتح خان سے سازباز کر کے ملک نمبل خان بشمول ان کے بیٹوں اور پوتوں سب کو قتل کیا۔

ملک نمبل کی جائیداد کے چار بخرے کئے گئے ایک حصہ فتح خان اور تین حصے ملک جنگ باز، درب خان اور لعل باز کو ملے۔ ملکی فتح خان کو ملی۔ اب بھی صرف چوک نمبل زندہ ہے۔ روح نمبل عبرت دلاتی ہے۔

جھکنے والوں نے رفعتیں دیکھیں
ہم خودی کو بلند کرتے رہے

واقعی :

عیسیٰ خان ، ضابطہ خان اور ان جیسے دیگر شہداء وطن ہم سب کے لئے وجہ ء افتخار ہیں۔ جن کے خون سے آج بھی سر زمین بنوں لالی ہے۔

؎ ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش
شامل کسی کا خون تمنا ضرور تھا

بنویان کا خاصہ. (امتیازی شناخت)

ہر قوم و قبیلہ اپنی خاص افتادِ طبع، اظہار محبت و غصہ ، مزاج و رواج ، میلانات ور جحانات ، رسم و روایات ، تہذیب و تمدن ، خدو خال ، ماضی و حال ، خوراک و پوشاک ، خصلت و عادات ، دوستی و دُشمنی، پسند و ناپسند کے مختلف معیار اور پیمانوں کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔

بنویان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت جلد طیش اور اشتعال میں آنے والی مخلوق ہے مزید بنوی عزیزوں کے لئے غیر اور غیروں کا عزیز ہوتا ہے۔

ایک انگریز محقق نے بنویان کے بارے میں لکھا ہے کہ بنوی تربور کو دشمن خاص سمجھتا ہے۔ جبکہ تربور کے ساتھ وہ خونی رشتہ اور وراثت میں منسلک و مشترک ہوتا ہے۔ یہ مرض سب افغانوں میں قدر مشترک ہے۔ مگر بنویان تربور کے ساتھ دشمنی نبھانے میں دیگر افغانوں پر سبقت رکھتے ہیں ۔ بنوی جب بھی اپنے کٹر دشمن کے ساتھ مخاطب ہوتا ہے ۔ تو کہتا ہے کہ تم میرے تربور تو نہیں ہو ؟

مردہ پرستی، پیر پرستی، توہم پرستی سب افغانوں کا قدر مشترک ہے۔ بنویان خواتین کی پردہ داری کے باب میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ جو اُن کیلئے وجہ افتخار ہے۔

نسوار اور گندگی پھیلانا

ویسے تو سارے افغان اس مد میں یکساں ہوتے ہیں۔ مگر ہویان اور وزیروں کا ڈھ و آہنگ ہی کچھ اور ہے۔ دونوں قبائل صفائی کے قاتل، اور گندگی پھیلانے پر مائل ہوتے ہیں۔ جب کوئی نسوار باز نسوار منہ میں رکھ لیتا ہے۔ تو آس پاس کی فضاء اور پورا ماحول کہر آلودہ ہو جاتا ہے۔ تھوک کی پھوار سے اس کا ہم جلیس تربتر ہو جاتا ہے اسکی آنکھوں میں تھوک اور پھوار کے قطرے داخل ہو جاتے ہیں۔ کچھ قطرے اس کے منہ اور چہرے پر بھی گرتے ہیں۔ اسوقت اس مسافر کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ تھوک کی پھوار اور بہار سے فرشِ خدا مالامال ہو جاتا ہے۔ اصل مسئلہ اس وقت جنم لیتا ہے۔ جہاں کمرے میں فرش و فروش، غلیچہ یا قالین بچھی ہوئی ہو۔ اور نسوار باز مہمان ہو۔ نسوار اور پھوار لازم و ملزم ہے۔ صاحب نسوار مہمان۔ میزبان سے آنکھ بچا کر اپنی تھوک کا بہار ہر طرف نچھاور کرتا رہتا ہے۔ اور جب خود نسوار تھوکنے کا مرحلہ آجائے تو عجب گل کھلاتا ہے نسوار کمرے کے کسی کونے کدرے میں نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اپنے میزبان کے لئے امانت رکھ دیتا ہے۔ اور اپنی انگلیاں اور ہاتھ اپنے سرہانے یا کھڑکی کے پردے کے ساتھ صاف کر دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک ہوچی ڈھٹا سارا ہوچی ڈھٹا۔ لگتا ہے کہ یہ کسی غیر پشتون کا وضع کردہ مقولہ ہے۔

چھوٹا پیشاب، فراغت اور فراست

اس مقابلے اور سعی لا حصل میں ہوی اور وزیر یکساں ہیں۔ یہ معاملہ اکثر و بیشتر بر لب سڑک برپا ہوتا ہے۔ پیشاب سے فراغت پانے کے بعد اس کوشش ناتمام سے ابھی فرصت نہیں ملی۔ دور تک اور دیر تک خشک سالی کا مقابلہ کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اسی حالت میں ہر آنے جانے والے سے سلام و دعا بھی کرتا رہتا ہے۔ گویا دعوئے اور جواب دعوئے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ واہ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی!

لمحہ فکریہ

ہویان اجتماعی قومی اور ملی قیادت سے محروم قوم ہیں۔ منتشر، باہمی رقابت، رنجش باہمی، دشمنی، نخوت، نفرت، ان کا شیوہ بن چکا ہے۔
1848ء میں انگریزی راج ہوں میں قائم نہ ہوتا۔ تو آج ہویان کا مرثیہ پڑھنے کو مل جاتا۔ کیوں کہ ان کا مدِ مقابل قبیلہ وزیر باہمی تعاون اتحاد و اتفاق اور عددی برتری کا خاوند تھا۔ وہ بہت کم وقت میں 40 ہزار تک لشکر تیار کر سکتا تھا۔ مگر ہویان کا کل اسلحہ بردار لشکر 15 ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔ وہ بھی نفاق اور انتشار کا شکار۔ 1847ء تک وزیر ہوں کے مضافات تک قابض ہو چکے تھے۔ اسی دوران ایڈورڈز ہوں کا نگران مقرر ہوا اور امن و امان قائم ہوا۔ یہ ایک ملی المیہ تھا۔ کہ شمشیر و سناں کا دھنی آج طاؤس و رباب سے شغف رکھتا تھا۔ قانون فطرت کسی کا لحاظ نہیں کیا کرتی۔ فطرت کی تعزیریں بڑی سخت ہوا کرتی ہیں۔ اس مرض میں مبتلا قوم مٹ جاتی ہے۔ منظر سے غائب اور ہٹ جاتی ہے۔ اور اسکی بنیاد کٹ جاتی ہے۔ اس کی جگہ لینے کے لئے کوئی اور مستحق قوم آجاتی ہے۔ یہی تقدیرِ اُمم ہے اور قانون فطرت بھی۔

؎ فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
مگر کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

رسم و رواج (شادی و غم)

(حال کے آئینے میں)

جہاں نسبت ٹھہرانی ہو مرد کی طرف سے چند قریبی رشتہ دار خواتین جاتی ہیں۔ اگر دلہن پسند آجائے۔ تو پھر مرد حضرات واپس آکر مشورہ ہو جاتا ہے۔ دلہا کی طرف سے ایک بار پھر مرد حضرات جو نزدیک رشتہ دار مثلاً بھائی باپ چچا وغیرہ خاتون کے مرد حضرات کو اپنا عندیہ بتاتے ہیں اگر وہ راضی ہو جائے تو مرد کی طرف سے مرد کے دوست احباب مقررہ تاریخ اور مقررہ وقت پر اسی گاؤں جاتے ہیں جہاں رشتہ مطلوب ہو چوک میں بیٹھ جاتے ہیں ان کی تواضع کی جاتی ہے، مرد کی طرف سے چند معزز حضرات اور خاتون کا وکیل نزدیکی مسجد میں نکاح خوانی

کے لئے جاتے ہیں۔وہاں مہر اور دوسری شرائط طے ہوتی ہیں۔ عقد ہو جاتا ہے اور مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔اسے پشتو میں خرونہ کہتے ہیں۔اس کے کچھ عرصے بعد رخصتی ہوتی ہے۔خاتون کے والدین ضیافت کا اہتمام کرتے ہیں دلہن کو نئے کپڑے اور زیورات پہنائے جاتے ہیں دلہن لانے کے لئے جو دوست احباب جاتے ہیں اس کو براءت کہتے ہیں دلہن کو گھر لایا جاتا ہے۔جہاں خوب ضیافت کی جاتی ہے۔دوست احباب،برادری کے لوگ شرکت کرتے ہیں قریبی دوست رشتہ دار تحفے تحائف بصورت کپڑے پیش کرتے ہیں۔خواتین کی طرف سے دلہا کے گھر والوں کو حسب توفیق و روایت نقد رقم پیش کی جاتی ہے۔ جسے پشتو میں خونائی کہتے ہیں۔یہ بدلے کی رقم ہوتی ہے جب ان کے ہاں شادی ہو تو اسی مقدار یا اس سے زیادہ خونائی ادا کیا جاتا ہے۔

اکثر تعلیم یافتہ لوگ ان تحفوں کا ریکارڈ بھی رکھتے ہیں جن کا چکانا اپنے ذمہ سمجھا جاتا ہے۔رات کے وقت باقاعدہ عقد خوانی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ڈوم، حجام،اور کو توال گاؤں کے خادم ہوتے ہیں۔جو چوک ، حجرہ میں پانی بھرنا ،صاف کرنا ،اور مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں۔حجام اور کو توال کو خبر گیری کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔عشاء کی نماز کے بعد دلہا کو اپنے دوست کندھے پر اُٹھاتے ہیں۔اسمیں بعض اوقات دلہا کو تکلیف بھی پہنچ جاتی ہے۔یہ رسم تین بار دہرایا جاتا ہے۔شب کے آخری حصہ میں دلہا معہ قریبی رشتہ دار خواتین اور مرد حضرات نزدیک نہر کی طرف جاتا ہے۔جہاں سے دلہا سے گھڑا بھرایا اور اُٹھوایا جاتا ہے۔جسے اسے گھڑائی بھرنا کہتے ہیں۔واپسی پر دلہا اور اس کے دوستوں کو دیوار سے لگایا جاتا ہے یعنی کھڑا کیا جاتا ہے۔قریبی رشتہ دار خواتین دلہا اور اس کے دوستوں کا خوب مذاق اُڑاتی ہیں۔گیتوں میں دلہا اور اس کے دوستوں کا ہجو بیان کیا جاتا ہے۔ صبح ہو جائے تو بزم درہم برہم ہو جاتی ہے۔دوسرے دن دوست حضرات کی طرف سے دلہا کے اعزاز میں اشتراکِ باہمی کے طور پر خوب ضیافت دی جاتی ہے۔جسے صوبت کہتے ہیں۔البتہ تصویر کا دوسرا رخ بھی قابل التفات ہے۔دلہن کی رُخصتی سے پہلے دلہن کے گھر اس کے لواحقین اور رشتہ دار خواتین جمع ہو جاتی ہیں۔دلہا کی طرف سے بھی خواتین شرکت کرتی ہیں۔اس رسم کو مہندی اور پشتو میں نکریزی بولتے ہیں دلہا،اس کے دوست حضرات اور اس کے رشتہ دار خواتین اور خود دلہن کے ہاتھ پیلے کیئے جاتے ہیں۔یہاں بھی

بصورت نقد رقم ادا کی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی بھول گیا۔ کہ خرونہ / منگنی کے دن خاص اہتمام کے ساتھ دلہن کے گاؤں مرد و خواتین ڈول کی تھاپ پر جاتی ہیں جب گاؤں میں یہ طائفہ داخل ہو جائے تو ان کی خوب خاطر ومدارت گاؤں کے منچلے لڑکوں کے ہاتھوں صورت پذیر ہوتی ہے۔ وہ یوں کے یہ منچلے لڑکے کوٹھوں پر چڑھ کر اوپر خواتین پر رنگ پھینک دیتے ہیں اور خواتین کا بُرا حال ہو جاتا ہے۔ بچوں کی چیخ وپکار، خواتین کی آہ وبکاہ دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔ بعض اوقات یہ تقریب غم میں بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور گاؤں کے مشران آپس میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی ہے۔ اب یہ رسم تقریباً ناپید ہوا چاہتا ہے۔ ماضی میں دھنگے اور فساد کی بنیاد بن جاتی تھی۔

دریمہ :

دلہن کے لواحقین دلہا کے لئے خاص تقریب سجاتے ہیں۔ ضیافت ہوتی ہے۔ ساتھ ظرافت کے لئے بھی کافی گنجائش رکھ لی جاتی ہے۔ مذاق، ظرافت، سب کچھ رکھا جاتا ہے۔ دلہا کی خوب آؤ بھگت، بلکہ درگت بنائی جاتی ہے۔ جس کرسی پر اُسے بٹھانا ہو، یا اس کے ساتھ چارپائی وغیرہ رکھی گئی ہو۔ اس کے پھندے کو کھوکھلا رکھتے ہیں۔ جب اس پر یہ لوگ بیٹھ جاتے ہیں۔ تو دھڑم سے نیچے گر جاتے ہیں۔ اور خوب ہنسی اور قہقہے سننے کو ملتے ہیں۔

"غم ۔ ماتم"

کسی کا رشتہ دار فوت ہو جائے۔ خاص وعام، دوست واحباب کو اطلاع مل جاتی ہے جنازہ، مقام اور وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔ فاتحہ خوانی کے لئے لوگ جوق در جوق آتے ہیں۔ چوک اور حجرہ کو صاف کیا جاتا ہے۔ ہر گھر سے ایک ایک چارپائی لازمی نکالی جاتی ہے۔ اگر ضروری ہو تو مزید چارپائی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ صاحب استطاعت لوگ کرسیاں بھی منگواتے ہیں۔ کیونکہ آجکل کرسیاں کرایے پر بھی ملتی ہیں۔ بعض رشتہ دار شہر جاتے ہیں۔ تجہیز و تکفین کا انتظام کرتے ہیں۔ کفن وغیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ بتاشے گڑ یا کشمش لایا جاتا ہے جنازہ پڑھنے کے بعد یہ اشیاء اور نقد رقم بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ جسے اسقاط کہتے ہیں۔ آجکل یہ رسم اسقاط تقریباً ساقط ہو چکا ہے۔

ماضی میں اگر اسقاط تقسیم نہ کیا جاتا تو تربوروں کے طعنے سے دوچار ہونا پڑتا۔ بعض زیر بار اور تنگ دست افراد کے لئے یہ گھڑی بڑی حسرت اور آزمائش کی ہوتی تھی کیونکہ تجہیز اور تکفین اور اسقاط کے لئے قرض لینا پڑتا تھا۔ اور یہ قرض میت کے نابالغ بچوں کو مقررہ وقت ادا کرنا پڑتی۔ رات کو دعوت دی جاتی ہے۔ ایصال ثواب کے لئے۔ خاص طور پر حلوہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ تیسرے دن بھی خاص دعوت دی جاتی ہے۔ اور یہ سلسلہ نویں دن اور چالیسویں دن تک چلتا رہتا ہے۔ میت کے رشتہ داروں کو کم از کم چوک یا حجرہ میں چالیس دن تک بیٹھنا پڑتا ہے۔ دور دراز سے لوگ دوست احباب عزہ داری کے لئے آتے ہیں۔ اور فاتحہ پڑتے ہیں۔ اب حالات بدل گئے ہیں۔ اور کافی بدعتیں کافور ہوتی جارہی ہیں۔ جن کے بدلے اسلامی روایات ایک بار پھر زندہ ہو رہے ہیں۔ اور یہ ایک نیک شگون ہے۔ اس کی خاص وجہ علماء دین کی خاص توجہ ہے۔ جو ان مکروہ بدعات اور ناکارہ رسم ورواج کا بیخ کنی کر رہے ہیں۔

بچے کی پیدائش

بچہ پیدا ہوتے ہی کوئی میٹھی چیز منہ میں رکھی جاتی ہے اور کانوں میں اذان دی جاتی ہے۔ صدقہ / عقیقہ کے طور پر۔ دو دن کے بعد سر کے بال منڈھوادئے جاتے ہیں۔ اور غسل بھی دی جاتی ہے۔ نام بھی رکھا جاتا ہے۔ پہلو میں چھری رکھی جاتی ہے جس سے ناف کو کٹوایا گیا ہوتا ہے۔ بعض لوگ گنڈے تعویز سرہانے کے اوپر لکڑی سے لٹکایا جاتا ہے۔ تاکہ اس تعویز کا سایہ بچے پر پڑے۔ اس عمل کو ژغیربہ کہتے ہیں یعنی محافظ سمجھا جاتا ہے۔ مگر آجکل اسے بدعت سمجھا جاتا ہے۔

ختنہ :

اکثر بچے کی پیدائش کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے۔ مگر بعض اوقات اسے موخر کیا جاتا ہے۔ عقیقہ دو دن بعد غسل دیا جاتا ہے۔ اس دن بھیڑ یا بکری کو ذبح کیا جاتا ہے۔ سارا گوشت عزیزوں اور غریبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

حال شادی وبیاہ

کوژدنہ یا کوژدہ

پسرِ والدین اور والدین دختر کے مابین بعد از افہام و تفہیم اور جانبین کا باہمی رضامندی اور عندیہ حاصل کرنے کے اظہار کو کوژدنہ کہتے ہیں۔

خرونہ

خرونہ سے مراد خوردونوش کا اہتمام کرنا ہے۔اس تقریب میں وارثان دلہا کے خرچ پر دیہہ دختر کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔اوز دیہہ دختر میں ہی ہوتا ہے۔جس کے لئے 100 روپے سے لیکر 200 روپے خرچ آسکتا تھا۔یہ ماضی کی باتیں ہیں ورنہ آجکل نہ تو اس رسم کا وجود باقی رہا ہے نا روپے کی قدروقیمت ہے۔

مزید تشریح :

اسی رات رقم ادا کرنے کے بعد رشتہ داران دلہا کو شربت کا گلاس ڈوم پیش کرتا تھا۔ جسمیں قدرے روغن زرد بھی ہوتا تھا۔ شرکاء ایک ایک گھونٹ پیتا اور ایک روپیہ فی کس ڈوم / امراشی کو دیتا تھا۔ضیافت دینے لے لئے دن مقرر ہو جاتا۔

لوسیرا

ضیافت کے بعد دلہا کی طرف سے شریک مہمانوں کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مہندی لگائی جاتی تھی اس رسم کو لوسیرا یعنی ہاتھ پیلا کرنا کہتے ہیں۔

اس رسم کی ادئیگی کے بعد رشتے کی بات محکم اور پختہ ہو جاتی نکاح پڑھے بغیر رشتہ مستحکم تصور ہو جاتا تھا۔یہ رواج اور یہ رسم اب متروک ہو چکا ہے۔

واک لنڈیئ :

تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ نکاح اور رخصتی کا دن آنے کو ہوتا ہے۔ اس دن وارثان دلہا کی طرف سے ڈوم گھریلو پکوان کے ساتھ دلہن کے گھر جاتا ہے۔ اس پکوان کو رنگ غوشی کہتے ہیں۔ ڈوم واپسی پیغام کے ساتھ واپس آتا ہے۔ اور رخصتی کا دن مقرر ہو جاتا ہے۔ رخصتی کے دن دلہن کے ورثاء کی طرف سے دلہا کے خرچ پر دعوت دی جاتی ہے۔ مگر آجکل یہ رسم بھی ختم ہو چکا ہے البتہ دلہن کے ورثاء کی طرف سے اپنے ہی خرچ پر ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ختے وڑینے :

یعنی پارچہ جات دلہن کے گھر خاص اہتمام کے ساتھ پہنچائے جاتے ہیں۔ دلہن کے گاؤں کے بعض منچلے نوجوان مہمان خواتین پر رنگ پھینک دیتے ہیں۔ آج کل یہ رسم بھی بالکل ختم ہے۔

دجُونے شپہ :

رخصتی سے ایک دن پہلے دلہن کی سہلیاں جمع ہو جاتی ہیں شب باشی ہوتی ہے۔ دلہن کو بناؤ سنگار کے مرحلے سے گزارا جاتا ہے۔ دوسری صبح دلہن کی رخصتی ہو جاتی ہے۔ آج کل اس رات ایک رسم اور ادا کی جاتی ہے۔ جسے رسم مہندی کہتے ہیں دلہا کو دلہن کی رشتہ دار مرد و خواتین تحفے نقد اور جنس کی صورت میں پیش کرتی ہیں۔

ورا (یعنی برات)

رخصتی کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس دن دلہن کے ورثاء کی طرف سے مہمان شرکاء کو خوب ضیافت دی جاتی ہے۔ یہ رسم آج بھی باقی ہے۔

پاندرہ :

ماضی میں یہ رسم ہوتا تھا۔ کہ اس شب دلہا کے دوست واحباب کو رقص وسرود میں شرکت کا موقع دیا جاتا ہے۔ اور دلہن کے گھر پر مہمان خوب رقص کرتے ہیں جسے عرف عام میں درب یا اتانڑ کہتے ہیں۔ آج کل یہ رسم بھی صرف سننے کو ملتی ہے۔ اور اب ختم ہے۔ اس رات مراسی دلہن کو انگھوٹی پہنا دیتا تھا۔ ایک اور عجیب وغریب دستور برپا ہو جاتا تھا۔ یہ کہ میراثی دلہن کے پاؤں کے انگھوٹے کے ساتھ چادر باندھ لیتا۔ اور پھر وہ جست لگا تاکہ دلہا کے سر کو چھو جائے دلہا کے ساتھی دلہا کو سر پر چڑھاتا ہے۔ تاکہ مراسی کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ یہ مشق مشکل کچھ دیر تک جاری رہتا ہے۔ اگر مراثی کامیاب ہو جاتا تو سمجھو دلہن جیت گئی ورنہ دلہا کی جیت یقینی ہو جاتی۔ یہ رسم بھی اب ناپید ہے۔

تو لے تہ دارول :

یعنی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہونا یا کھڑا کرنا۔ اسی رات دیر گئے تک دلہا معہ اپنے ساتھی دوستوں اور قریبی رشتہ داروں کو دیوار کے ساتھ کھڑا کیا جاتا ہے۔ اور پھر خواتین ان کی ہجویاں کرتی اور خوب درگت بنتی۔ آج کل یہ رسم بھی متروک ہے۔ اسی اثناء دلہن کی کوئی بہن اپنے چادر کا پلو دلہا کے قمیض کے دامن کے ساتھ باندھ لیتی دلہا کو عجیب مخمصے میں ڈالا جاتا۔

گھڑی توڑل :

صبح کو دلہا کو قریبی نہر یا دریا سے گھڑا بھروانے کے لئے کہا جاتا ہے۔ یہ تقریب بھی مراثی/ڈوم کی معاونت سے انجام کو پاتا ہے۔ آج کل یہ رسم بھی ختم ہے۔
واپسی کے بعد اپنا دامن چھڑانے کے لئے دلہن کی بہن کو حسب طلب رقم دی جاتی ہے۔ اور ہنسی خوشی یہ رسم بھی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔

سرویر:
جہیز کو کہتے ہیں۔ سامان وارثان دلہا کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اسی شب نکاح خوانی بھی ہو جاتی ہے۔ اور صبح دلہن کی رخصتی بھی ہو جاتی ہے۔ دلہا کے گاؤں میں وردہمغنی شادی ہوتی ہے یعنی رسم شادی بصورت ضیافت ادا کی جاتی ہے۔

دریمہ
شادی کے تیسرے دن دلہن اپنے میکے واپس آتی ہے۔ اور اسی شب دلہا معہ احباب دلہن کے گھر برائے شرکت دعوت طعام آتا ہے۔ یہاں بھی عجیب رسم ادا ہو جاتی ہے مہمان حضرات اور میزبان خواتین کے مابین رسہ کشی کا مقابلہ ہوتا تھا۔ آج کل یہ رسم بھی فسانہ بن چکی ہے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد دلہن اپنے سسر کے گھر آتی ہے اور خانہ آبادی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

رواج غم

جب کوئی مرد یا زن فوت ہو جائی۔ تو لواحقین میت کی مستورات میت کے خانہ اور مرد حضرات دیہہ ہذا میں دعائے خیر فاتحہ خوانی کے لئے جاتے ہیں۔ مستورات اظہار غم واندوہ کرتی ہیں۔ مرد حضرات چوک و حجرہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔
چوک کے بیچ میں چلم (حقہ) ہوتا ہے۔ جسے گردش اور طواف میں رکھا جاتا ہے۔ شریک محفل حضرات چلم کشی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس دوران دعا کے لئے بھی ہاتھ اُٹھتے ہیں۔ آج کل نہ چلم ہے نہ چلم کش۔ چند معتبر کفن کا انتظام کرتے ہیں۔ متعلقہ مسجد میں قران خوانی ہوتی ہے۔ ماضی میں مستورات مردے / میت پر کپڑا از قسم "گل بدن" ڈال دیتی تھیں۔ جسی پٹ کہتے ہیں۔ جس سے کافی گز کپڑا جمع ہو جاتا تھا۔ یہ کپڑا متعلقہ دیہہ کے اخوند کے حصہ میں آجاتا تھا۔ مقررہ وقت پر جنازہ ادا کیا جاتا ہے۔ شرکاء بتاشے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات نقد رقم بھی۔ مگر اب یہ رسم نہیں رہی۔ رات کو ضیافت میں یعنی مسکینوں کو خیرات دیا جاتا ہے۔ جو عموماً حلوہ ہوتا ہے۔

تقسیم میراث کا کوئی مسئلہ

جب میت کو دفنا دیا جائے تو متعلقہ دیہہ کا اخوند میت کے سرہانے کھڑا ہو کر وعظ نصیحت فرماتا ہے۔ ساتھ کوئی مسئلہ وارثت کے بارے میں بتاتا ہے۔ اور قرانی آیات کا ورد بھی فرماتا ہے۔ میت کی بخشش کے لئے اجتماعی دعا کی جاتی ہے۔ اور سب شرکاء ماتم وہاں سے منتشر ہو کر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

ماضی اور حال

معاشرتی روابط کی تناظر میں

ماضی میں رسل ورسائل کی فقدان کے باعث ازدواجی رشتے اسی گاؤں اور برادری ہی میں برپا کئے جاتے تھے اب حالات بدل چکے ہیں۔۔ معیار اور اقدار بھی بدل چکے ہیں۔
سازو آواز، انداز، ڈھنگ اور رنگ اور آہنگ سب بدل گئے ہیں۔ جس کا اثر معاشرتی زندگی پر بھی پڑا ہے۔ تاریخ کو مکمل کرنے کے لئے ماضی کو آواز دینا پڑتا ہے۔

تقسیم میراث

میت کی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ حسب رواج تقسیم کی جاتی ہے۔ شادی شدہ خواتین کا حصہ جائیداد میں نہیں بنتا تھا، البتہ غیر شادی شدہ خواتین کا حصہ موجود تھا۔ مگر وہ بھی مشروط۔ اسے خرید و فروخت کی اجازت نہ تھی۔

خوراک

گندم، مکئی اور جو خاص غلہ تھا۔ متمول لوگ گندم اور چاول کا استعمال کر سکتے تھے۔
گوشت، جلوہ بھی ذوق ضائقہ کی تسکین کے لئے ہوتا تھا۔ غریب افراد کے لئے جو کی روٹی حاضر تھی۔ جبکہ متوسط طبقہ رات کو گندم دن کو مکئی کی موٹی روٹی استعمال کرتا تھا۔ گوشت کا استعمال بہت کم تھا۔ دوغ زدہ دال من بھاتا خوراک معہ گندم کی روٹی مہمانوں کی تواضع پلاؤ اور حلوہ سے کیا جاتا۔ مرغ مسلم یا فربہ دنبہ ذبح کیا جاتا تھا۔

روغن کا استعمال عام تھا۔ عام مہمان کے لئے روغن بھرا جام معہ نان مسلم پیش کیا جاتا شکر سرخ بھی ساتھ ہوتی جسمیں کفایت اور سادگی کے دونوں تقاضے پورے ہو جاتے۔

موسم سرما میں بے فکرے، منچلے جوان آپس میں ملکر فربہ دنبہ کو ذبح کرتے تھے۔ حجرے میں ہی سب کی شب باشی ہوتی تھی۔ پشاور رباب باز اور داستان گو سے دل بہلایا جاتا تھا۔ مجلس (محفل موسیقی) بھی گاہے بگاہے برپا ہوتی تھی۔ خوراک کے باب میں مستورات کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔

مہمان نوازی

بنوں والوں کا خاص وصف ہے۔ مہمانوں کی خاطر مدارت حسب توفیق اور حسب حیثیت کی جاتی ہے۔

پوشاک

گھریلو ساخت کا بنا ہوا کپڑا ہوتا۔ جیسے کھدر اور کھڈی کا کپڑا کہتے ہیں۔ استعمال کرتے تھے۔ قمیض شلوار اور پگڑی پر مشتمل لباس ہوتا تھا۔ پگڑی سرخ رنگ کو پسند کرتے تھے۔ بعض خوش پوش مرد وحضرات سفید لٹھے کا چادر استعمال کرتے تھے بعض منچلے تہمد بھی سیاہ باندھتے تھے۔ جو عموماً سادہ رنگ کا ہوتا تھا۔ ملکی پارچہ جات کے لئے دھاگے بھی اکثر گھر کے اندر ہی تیار کیا جاتا تھا۔ جسے چرخے کے ذریعے بُنا جاتا تھا۔ تقریباً ماضی میں ہر گھر میں چرخے ہوتے تھے۔

تجارت

سارا کاروبار حیات خاص طور پر تجارت اور صنعت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ ہندو فارغ البال ہوتے تھے جبکہ بنویان مفلوک الحال اور پریشان حال رہے۔ گھر گھر، قریہ قریہ دشمنیاں بھی۔ اندرونِ خانہ اور بیرونِ خانہ حالات بڑے ناسازگار تھے۔ مسلمان صرف بارودی کاروبار سے سروکار رکھتے تھے۔ مرد حضرات ایک خاص وضع کی قمیض پہنتے تھے جسے خلقیؔ کہا جاتا تھا۔

چپلیاں :

گھریلو ساخت کی چپلیاں پہنتے تھے۔ جسے ہوں وال چپلیاں کہا جاتا ہے۔ جو خام چرم سے تیار کیا جاتا تھا۔ نہایت سخت چرم اور کھردرا ہوتا تھا، مگر بہت مضبوط۔ کاشتکار لوگ خاص طور پر اس قسم کی چپلیاں پہنتے تھے۔ زنانہ پوشش اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ جن پر ابریشم اور زردوزی ہوتی۔ خاص طور پر سینہ گریباں اور دامن پر گلکاری کی جاتی ہے۔ معمر خواتین بہت ڈھیلا اور لمبی قمیض پہنتی تھیں۔ دامن قبا بہت لمبا اور کشادہ ہوتا تھا۔ بوقت ضرورت دامن سے دوپٹے کا کام بھی لیا جاتا تھا۔

خاتونِ خانہ

گھر سے جب نکلتی تو بہت ہی عریض وطویل سفید دوپٹا اوڑھا جاتا تھا۔ جس میں سے صرف دو آنکھیں نمودار ہوتی۔ باقی سارا جسم ڈھانپا ہوا ہوتا تھا۔ بانات کا کپڑا متمول گھرانے کی خواتین استعمال کیا کرتیں۔

صفائی :

صفائی نام کی مرد اور خواتین میں نہیں۔ میل کچیل کی بہتات سے بدبو پیدا ہو جاتی قمیض کا گلہ اور آستین روغن زدہ ہو جاتے۔ کپڑے کی دھلائی نہیں ہوتی تھی۔ مرد حضرات کی قسمت میں نہانا نہیں لکھا تھا۔ البتہ بوقت شرعی ضرورت کے۔

ہنود

پگڑی کا استعمال رواج کے مطابق ممنوع تھا۔ وہ صرف کھدر کی ٹوپی پہن سکتے تھے۔ قمیض بھی زرد رنگ کی ہوئی تھی، ہندو لوگ دولت کی نمائش کرنے سے ڈرتے تھے۔

طرز وضع عادات

بحوالہ مصنف۔ حیات افغانی

اکثر بنویان کوتاہ قد، لاغر اور زرد رو مخلوق ہے۔ بھوی چہرہ، متوسط اندام، تنگ پیشانی ،مدور جسم رکھتے تھے۔ کپڑے میل آلود بلکہ روغن آلود اور بدبو دار ہوتے تھے۔ صفائی نام کی کوئی چیز سے واقف نہیں۔ بنویان کو سماجی برائیوں کا محور قرار دیا گیا ہے۔ البتہ قوم مری دراز قد اور قوی جسم ہیں۔ سرخ رنگ رکھتے ہیں۔ جس کا سبب دریائے کرم کی بجائے دریائے ٹوچی سے پانی استعمال کرنا ہے جو صحت افزاء ہے۔

وجوہ

ماضی میں دریائے کرم کا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ بنوں میں کوئی کنواں موجود نہ تھا۔ حفظان صحت کے اصول سے عدم آگاہی و بیماریوں سے بچاؤ اور علاج کی عدم دستیابی خاص طور پر ملیریا سے بچاؤ کیلئے کوئی تدبیر اور دوائی دستیاب نہ تھی۔

موجودہ صورت حال

حالات بدل چکے ہیں۔ عوام کو صاف پانی، ادویات کی فراہمی، حفظان صحت سے آگاہی حاصل ہے جس کا مجموعی اثر عوام کی صحت پر پڑ چکا ہے۔ عوام صحت مند اور تنومند ہیں۔ ماضی میں جہاں جوہڑوں سے پانی حاصل ہوتا۔ اور جن سے مختلف قسم کی وبائی بیماریاں پھیل جایا کرتی تھیں۔ اب وہ بیماریاں ناپید ہیں۔ آج بنوں کے باسی صحت مند، تنومند، تندرست، مضبوط، قد آور، اور سرخی مائل اور عنابی چہرہ رکھتے ہیں۔ مردانہ کھیلوں میں اپنا نام اور مقام حاصل کر چکے ہیں۔ عالمی سطح پر نام آور کھلاڑی پیدا کر چکے ہیں۔ خاص طور پر ہاکی بنوں والوں کا خاص اور ملک گیر گیم ہے۔

بنویان فن پہلوانی، شمشیر زنی اور تیر اندازی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ شہسواری اور رسہ کشی میں دیگر اقوام کو مات دینے میں نام پیدا کر چکے ہیں دیگر جدید کھیلوں میں عالمی سطح پر صف اول

میں جگہ پا چکے ہیں۔ ماضی کی سماجی برائیاں جو وقت کی پیداوار تھیں آج ناپید ہیں۔

ماضی میں بنویان بٹیر بازی، امرد پرستی، لہو لعب، چوک نشینی سہل پسندی اور سہل انگاری کے باعث بدنام ہیں۔ آج بنویان تعلیم کے شعبہ سے شغف رکھتے ہیں بنوں کے باسی استاد، پروفیسر، انجینئر، ڈاکٹر اور اعلیٰ سول ملازمت حاصل کرنے میں پیش پیش ہیں۔

بنوں قابل فخر شخصیات کو جنم دے چکا ہے۔

غلام اسحاق خان سابق صدر پاکستان قابل قدر ہستی ہیں جو اخلاقِ حمیدہ کا مجموعہ ہیں یہ قابل قدر ہستی بنوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسے اور کتنے گنجہائے گرانمایہ ہیں۔ جن پر بجا طور پر بنوں فخر کر سکتا ہے۔ البتہ بنوں والوں کا یہ وصف مجھے قطعاً شاق گزرتا ہے کہ وہ سیاسی شعور سے بیگانہ ہیں۔ اور وہ ابتک اپنے محسن کا ادراک نہیں کر سکے ہیں۔

زباں و بیان

بنویان کی زبان و بیان، لب و لہجہ، تلفظ، پیچیدہ۔ اوک، خشک، توڑ مروڑ اور نچوڑ سے عبارت ہے۔ وہ ہر لفظ کو دبا کر ادا کرتے ہیں۔ جو اسکی فطرت کا غماز ہے۔ بنوی زبر کی جگہ واؤ اور واؤ کی جگہ زیر میں بدل لیتا ہے۔ مثلاً پلار سے پلور اور مور سے میر بنا دیتا ہے۔

جبکہ مروت کی زبان سادگی، بے تکلفی اور مٹھاس سے معمور ہے۔ زود فہم اور آسان ہے۔ بنوں میں پنجاب سے پیشے اور کاروبار کی تلاش میں جب خاصی آبادی منتقل ہو گئی جو غیر پشتون تھے تو انہوں نے مقامی لب و لہجہ کو متاثر کر دیا۔ اور بعض نئی ترکیب وضع کی گئیں۔ مثلاً بنوی کو بنوچی اور بنویاں کو بنوچیاں کہا جانے لگا۔ یہ غلط العام اور زبان کے قواعد کے خلاف ہے۔ بنوں سے بنوی، پشاور سے پشاوری، ڈیرہ سے ڈیروی، ہزارہ سے ہزاروی درست تراکیب ہیں۔

شوقِ سرود

بنوں کی سرنا علاقائی موسیقی میں شامل ہے رباب سے شغف بدستور قائم ہے۔ سہ رنگی بھی جاذب موسیقی ہے شعر اور ادب میں بھی بڑا زرخیز ہے۔

نندارہ

ہویان کی معاشرتی زندگی کا حصہ ہے۔ مگر اس کا رواج کم ہو گیا ہے۔ اسکی جگہ شروع میں محفلِ موسیقی جسے عرف عام میں مجلس کہا کرتے ہیں۔ لے لی۔ اب ہر گھر میں T.V سیٹ موجود ہے اب یہ چیزیں قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔

درب ۔ اتانڑ ۔ دھمال

اجتماعی رقص کی ایک شکل ہوتی تھی۔ جسمیں کرتب، مہارت، چبکدستی کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ مگر یہ صنف بھی ختم ہوا چاہتا ہے۔

اصنافِ سخن

غزل ۔ چاربیتہ ۔ سندرہ

حال بیماری اور علاج

تپ محرقہ یا سترہ تبہ :

علاج

ژمن اچول یا ژودن اچول

طریقہ علاج :

گوسفند کو ذبح کر کے اسکی کھال اُتار کر مریض کو پہنایا جاتا تھا۔ مریض کو ایسی جگہ رکھا جاتا تھا جہاں روشنی اور ہوا کا عمل دخل نہ ہو۔ یہ عمل کئی بار دہرایا جاتا تھا ایسا بھی ہوا کہ علاج موت کا سبب بن جاتا۔ اور بچ بھی جاتا تو کئی قواء سے محروم ہو جاتا تھا۔ کھال دوسرے دن دور کر دیا جاتا تھا۔

کھانسی / کھنائی کا علاج

یہ مرض زمستان کا تحفہ ہوتا تھا۔ جو چرب زدہ گوشت گوسفند اور بدپرہیزی کا ثمرہ ہوتا تھا۔ دوغ زدہ روغن میں ہلدی اور سیاہ مرچ شامل کر کے پیا جاتا تھا۔ یا مریض کو دیا جاتا تھا۔

ٹیکلہ / نمونیا

علاج روئی پر بیضہ مرغ کی زردی لگا کر دونوں طرف کی پسلیوں کو ڈھانپ دیا جاتا تھا اور پھر خوب کسکر باندھ دیا جاتا تھا۔

یرقان زرد یا یرقان سیاہ

جسے مقامی بولی میں زیڑائی یعنی زرد ہو بنانے والا مرض۔ بنوں میں وبائی شکل میں موجود تھا۔ اس کا علاج بھی کھال گوسفند اور روغن گوسفند۔ جو یرقان کے لئے جان لیوا ہوتا تھا۔

اسہال اور دست

موسم خزاں اور ماہ اپریل اور مئی کا تحفہ ہوتا جسمیں توت کا میوہ کثرت سے ملتا ہے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہوتا تھا۔

علاج

آب پیاز یا پوست انار پیس کر پانی کے ساتھ پیا جاتا تھا۔ یا شربت قند سیاہ سے اسکا علاج مانا جاتا تھا۔

جوڑوں کا درد

شکستگی استخوان اور رفع سستی اور نامردی کے لئے ایک خاص نسخہ دستیاب تھا۔ جسے ستر دارو کہتے ہیں۔ جو ذیل اشیاء سے مرکب تھا۔ سونٹھ، گوند کا تیرا، مرچ سیاہ، کسی کھلہ، کمر کس، کانو۔ ہر ایک چھ کو باریک پیس کر شیر و شکر کر کے حلوہ جریش میں استعمال کیا جاتا تھا۔

پرہیز: ہر چیز سے سوائے خشک روئی، ہوا اور پانی۔

خلاصہ

ژون اچول ہر مرض کا تریاق سمجھا جاتا تھا۔ فصد خون، یعنی عمل جراحت۔

1849ء کے بعد حالات میں نمایا تبدیلی آگئی بنوں مغلوب ہوااور تاج برطانیہ کا راج جاری ہوا۔ حقوق و فرائض کا تعین کیا گیا۔ امن بحال ہوا، جہل کا خاتمہ ہوا۔ شفاخانے کھل گئے نئی ایجادات اور ادویات سے عوام مستفید ہونے لگے۔

ماضی کی مردم آزادی مردم آزاری نظر آنے لگی۔ سیاسی بیداری پیدا ہوئی آزادی کی مختلف تحریکیں وجود میں آگئیں پاکستان بنااور میں اور آپ آزاد ہو گئے۔ خدا کرے کہ ہم اس آزادی کی نعمت کی قدر کریں۔

وما علینا الا البلاغ

ملکان کے ذرائع آمدن مدات خرچ

بنوں ماضی میں 1823ء تک افغانستان / کابل کا ایک صوبہ تھا۔ جو مرکز سے دور ہونے اور یہاں کوئی فوجی چھاؤنی اور مستقل ریاستی فوج نہ ہونے کے باعث بنوں تقریباً آزاد اور خود مختار تھا۔ ہر دوسرے یا تیسرے سال درانی حکمران کے کارندے باج وصول کرنے کے لئے آتے۔ مگر باج وصول کرنے میں دشواری ہوتی۔ اور وصولی سے خرچ زیادہ ہوتا۔ یہی حال مغلوں کے دور میں بھی رہا۔ بنوں میں طوائف الملوکی کا راج تھا۔ جس کی لاٹھی اسکی بھینس۔ گویا جنگل کا قانون رائج تھا۔ ملکی قبائلی نظام کا تھہ تھا۔ ہر قبیلہ کا ایک مشر۔ معتبر یا سردار ہوتا تھا۔ مگر یہ نظام بھی موروثی نہ تھا۔ قبیلہ میں جو سب سے زیادہ سر پھرا، چالاک ظالم، قاہر اور جابر ہوتا۔ زمانہ شناس ہوتا۔ اپنے ارد گرد افرادی طاقت مجتمع کر سکتا۔ وہ اس قبیلہ کا سردار بن جاتا۔ ڈاکہ زنی، زیادتی، جبروت، استحصال قتل و غارت اس کا شیوہ اور منشور ہوتا تھا۔ وہ کسی نظام اخلاق کا پابند نہ ہوتا تھا۔ ملک خود بھی غیر محفوظ حالات میں زندگی گزار لیتا تھا۔ اپنے ساتھ افرادی قوت شامل کرنے کے لئے غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔ فریب، دھوکہ دہی، خون

خرابہ برپا کرنا اپنا ہنر خیال کرتا تھا۔ ملک اپنے نزدیکی رشتہ دار کو دشمن خیال کرتا تھا جسے وہ تربور کہا کرتا تھا۔ بھائی بھائی سے بد ظن، باپ بیٹوں سے نالاں، دوست دوست سے ہراساں رہتا۔ زندگی اجیرن تھی اندرون اور بیرون دوست دشمن سے ہر وقت محتاط رہنا پڑتا۔ ہر گاؤں میں دفاعی پناہ فصیل ہوتی تھی جسے عرف عام میں قلع/کلہ کہا جاتا تھا۔ بنوں میں ایڈورڈز کے عہد میں اس طرح کل 400 قلعہ جات موجود تھے۔ آج بھی گاؤں کو ماضی کے حوالے سے کلہ کہا جاتا ہے۔

جیسے کہہ چکا ہوں، کہ غیر اخلاقی حربے استعمال کرنے سے بھی ملک دریغ نہ کرتا تھا۔ افرادی قوت میں اضافہ کرنے کی غرض بعض ملک طفل خوبرو کا سہارا لیتا تھا۔ جو افرادی قوت کا محور بن جاتا اور جن سے امرد پرستی کو رواج ملا۔ جو باعث رسوائی بھی ہوا۔ مگر امرد پرستی وقت کی ضرورت کہا گیا۔ اسی طفل خوبرد کے طفیل بد قماش، بد معاش، بد اخلاق مادر پدر آزاد افراد ملک کو میسر ہوتے تھے۔ 1849ء میں جب بنوں تاج برطانیہ کے قلمرو میں آیا۔ امن وامان بحال ہوا۔ قلعہ جات منہدم کردیئے گئے امرد پرستی اور غلامی کا خاتمہ ہوا۔ جس کے بدلے میں سیاسی غلامی کا طوق پہنایا گیا۔ مگر جبر و جبروت ظلم سے آزادی ملی۔

ملک کے مداتِ آمدن، خرچ

سوائے پیداوار اراضی خود کاشت کردہ ملک کے چار ذرائع آمدن تھے۔ وڑ یعنی دہڑتھ ،لسمہ یعنی عشر، گنگ، شادی و غمی ٹیکس جو صرف ہندوؤں سے لیا جاتا تھا، جو پچاس روپے تک فی شادی ہوتا تھا۔

مزید تشریح

۱) بجت قلنگ

ملک اجناس کی فروخت پر (ایک آنہ) فی روپیہ بائع سے وصول کرتا تھا۔ لسمہ/دسواں حصہ اجناس کا وصول کرتا تھا۔ جن کے بدلے ملک گولہ اور بارود مہیا کرتا تھا۔

خرچ :

بصورت حملہ غنیم مدد دینے والے کو روئی، گولہ بارود اور زخمیوں کا علاج کروانا، مہمانوں کی تواضع کرنا اپنے گوندیداروں کی مالی معانت کرنا۔

ہمسایہ

تعریف : کوئی افغانی ہمسایہ نہیں کہلایا جاتا۔ البتہ غیر افغانون میں ہندکی ،اوان ،جٹ ،باغبان یہ سب ہمسایہ میں شامل ہیں۔

آبادکاری

ہمسایہ کی آبادکاری کا ملک ذمہ دار ہوتا۔ زمین اور سامان مفت مہیا کرتا کھاد کا مالک ملک ہوتا۔ یہ ہمسایہ ملک کے لشکر کا حصہ بنتا۔ جو بڑی جانفشانی اور جان نثاری دکھاتا۔

فرائض ہمسایہ

ہمسایہ لشکر کا حصہ ہوتا، پہرہ دیتا، چوک اور حجرہ کی خدمت کرتا لحاف ،چارپائی مہیا کرتا۔ سماجی مراکز کی صفائی کرتا۔ مثلاً چوک، حجرہ مسجد اور فصیل گاؤں۔

حقوق

ہمسایہ ملک کے لئے قیمتی اثاثہ ہوتا جسے وہ شرم خیال کیا کرتا بھائی کے مقابلہ میں ہمسایہ کو ترجیح دیا کرتا تھا۔

مانڑیئے

ہر گاؤں میں تقریباً متعدد مانڑیئے ہوتے تھے مربع شکل کی عمارت ہوتی تھی۔ 9 فٹ تک مٹی سے بھر دیا جاتا تھا۔ تب اس پر دیوریں اونچی کر کے اس پر سقف ڈال دیا جاتا تھا پھر اس پر سینہ پناہ دیوار اونچا کر دیتے ایک کوتاہ دروازہ ہوتا۔ اسمیں چڑھنے کے لئے رسی کی سیڑھی

ہوتی۔ جسے بعد میں رسی کو اوپر کھینچ لیا جاتا۔اس عمارت میں مسلح اور مستعد پہرہ دار موجود رہتے تھے تیر و تفنگ کے ساتھ۔

ٹینگہ

اجتماعی مفاد سے وابستہ امور اشتراک باہمی کے ذریعے انجام دینے کے انتظام کو بنوں میں ٹینگہ کہتے ہیں۔

ماضی میں سیلاب زیادہ آتے تھے جن سے آب پاشی کے لئے بنائے گئے بند ٹوٹ جاتے تھے اور ان میں خلل واقع ہو جاتا۔ شکستہ بند کی مرمت کے لئے جملہ کاشتکار بحساب فی خُلہ حصہ لینا پڑتا تھا۔ بصورت ناغہ فی کس 2 آنے یا ایک مرغ جرمانہ وصول کیا جاتا تھا یا پھر اسے اپنے حصے کے پانی سے محروم کیا جاتا تھا۔

دیال لنڈیڈاک اور بیپہ نار میں انتظام کے لئے ایک ایک داروغہ مقرر تھا۔ انہیں دیگر چند افراد کی معاونت حاصل ہوتی تھی جنہیں عرف عام میں سلوشیتی کہتے تھے۔ ان کارندوں کو جمع شدہ جرمانہ سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ باقی ماندہ رقوم جمع سرکار جمع کئے جاتے ہیں۔

خلہ / گانڈہ

ہر دیال اور نہر میں پانی کی پیمائش اور درست حساب رکھنے کے لئے دستیاب پانی کئی خلہ میں تقسیم ہوتا تھا۔ یہ رواج اور نظام آج بھی قائم ہے۔

بنوں میں ذرائع آب پاشی

دیال، ورخہ یا لشتی اور نالہ ہیں نالہ ٹوچی سے علاقہ میریان اور بکا خیل کی اراضی سیراب ہوتی ہے۔ جو مساوی حصے کے حق دار ہیں۔ گویا نالہ ٹوچی کا نصف پانی میریان اور نصف پانی بکا خیل استعمال کرتے ہیں۔

آئینہ بنوں

موجودہ جائزہ

.بنوں میں اس وقت رورل ہیلتھ سنٹر کی تعداد 2 ہیں بی ایچ یو یعنی بنیادی ہیلتھ مراکز 34 ہیں۔ جن میں 66 ڈاکٹر اور 229 نرس کام کر رہی ہیں۔

نہر کچکوٹ سے کل زمین 105000 (ایک لاکھ 5 ہزار زمین) سیراب ہوتی ہے۔ جبکہ مروت کینال سے ایک لاکھ 70 ہزار 5 کینال۔ بنوں میں کل پرائمری مردانہ+زنانہ (461+525) ہیں۔ مڈل سکول 48+48 ہیں ہائی سکول 35 +6 ہائی سیکنڈری سکولز 4+3 گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج ایک کامرس کالج ایک پولی ٹیکنیکل کالج ایک T.T.C کالج ایک ڈگری کالج ایک، ایف جی گرلز کالج گورنمنٹ کالج زنانہ اور ایک ایلیمنٹری کالج ہے۔

کل آبادی 6 لاکھ 72 ہزار 9 سو اکیس دیال ایک ۔مساجد کی کل تعداد بطابق 1956۔ 45 پٹوار حلقہ جات 52 نار کی تعداد 64 لنڈی ڈاک کی تعداد 34 کل موضع جات 264

کرم : ساڑھے پانچ فٹ راستہ سرکاری 11 فٹ بڑی سڑک 18 فٹ

ورخہ :3 فٹ دیال 8 فٹ

دیال اور ورخہ محکمہ آبپاشی کی ملکیت ہیں جبکہ مسجد اور قبرستان وقف ہوتے ہیں۔

اوقاف کی ملکیت

چوک ،راستہ ،مسجد اور قبرستان ناقابل تقسیم ہیں ۔نار کا رقبہ 200 سے 400 کنال۔ شہر میں کل پارک 4 ہیں۔ لیڈی پارک ،گارسٹن پارک ،میونسپل پارک ،دلاسہ خان پارک اور اب ایک اور اضافہ ہوا یعنی قاضی فضل قادر شہید پارک۔ جس کا افتتاح 2003ء میں وزیر اعلیٰ اکرم خان درانی نے کیا۔

چینے فقیر (صاحب آبِ حیوان)

بات مشہور ہوئی کہ علی نیکہ نزد شمشی خیل دیگان والا چشمے کا پانی آب شفاء ہے۔

صرف صبح اور شام یہ مجاور اسمیں اپنا دایاں ہاتھ ڈبویا کرے۔ یہ ہر مرض کیلئے امرت دھارا اور تریاق ہے۔ اب تو دیر کی گنجائش نہ تھی یہ بات جنگل کے آگ کی طرح پھیل گئی اور دور دراز سے لوگ قافلوں کی صورت میں آب شفاء کے لئے اُمڈ آئے سلسلہ لامتناہی شروع ہوا عوام اور خواص فقیر پر دولت نچھاور کرنے لگے۔ ایک میلہ کا ساماں بن گیا۔ بازار سج گیا۔ دوکانیں لگ گئیں۔ کاروبار حیات رواں دواں ہوا بہتوں کو روزگار مل گیا۔ چشمے کے دعویدار پیدا ہوئے۔ مال غنیمت کے بکرے مقرر ہوئے۔ پیدل، تانگہ، سائیکل، موٹر سائیکل، گاڑیاں، ریل گاڑی تک سب پیدل و سوار کشاں کشاں آب حیات کی تلاش میں قطار در قطار افتاں و خیزاں، خراماں بد اماں ایک جہت ایک سمت رواں تھے چلو چینے فقیر چلو۔ یہ صدائے عام تھی۔ مجاور سے چینے فقیر مشہور ہوا۔ قسمت جاگ اُٹھی۔ فقیر کی نہیں۔ وہاں کے باسیوں کی۔ شاہین کو ممولے کی ضرورت تھی۔ شاہین کو غیب سے نوالہ ملا۔ قبضہ گروپ نے انتظام سنبھالا۔ فقیر کو نئے سفید اُجلے کپڑے پہنادیئے گئے۔ عوام کو رام کرنے فقیر کو دام کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ایک دن فقیر کے جی میں آیا کہ جشن حلوہ کا اہتمام ہو یہ بہشتی حلوہ ہو گا چشم زدن میں سامانِ حلوہ حاضر ہوا۔ حکم تھا آٹا، چشمہ کا پانی، گڑ ملادیا جائے بڑے ٹب نما کڑاہی مین سب کو شیر و شکر کر دیا جائے نیچے آگ لگادی جائے۔ اور اسمین روغن اور گھی نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بہشتی حلوہ جل گیا۔ گویا

؎ آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا۔

صاحب حال فقیر بد حال ہوا۔ کرامت، ولایت طشت ازبام ہو کر سب کافور عوام کا عقیدہ ہرن ہوا۔ فقیر سوختہ جاں ہوا وہ ولایت اور کرامت کو ھضم نہ کر سکا معاملہ ختم ہوا اور پیسہ ھضم۔ فقیر بے سروساماں بے دردرماں اور نیم جاں رہ گیا۔

؎ امیر شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے\
کبھی بحیلہ مذہب کبھی بنام وطن

گفتنی نا گفتنی

1952ء ہے۔ مقام لوئر مڈل سکول سلیمہ سکندر خیل ہے۔ ماسٹر حباب الدین قاضی صاحب بڑے زرخیز ذہن کے مالک تھے دوران گفتگو انہوں نے ایک راز سے پردہ ہٹایا۔ رسالدار دلاور خان کے حوالے سے وہ یوں گویاں ہوئے کہ اک دن موصوف کو انگریز پولٹیکل نے بلا کر بتایا کہ وہ انہیں ایک اہم ذمہ داری سونپنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ تم (رسالدار دلاور خان) داڑھی رکھ لو۔ سفید جامہ اور عمامہ زیب تن کر لو۔ ملازمت سے لمبی رخصت لے لو۔ اور وزیرستان میں کسی بھی مقام کو مسکن بنالو۔ تمہیں بے حد و حساب مراعات ملے گی۔ تم صاحب حال اور صاحب کرامت ولی مشہور ہو جاؤ گے۔ تمہارا مسکن و عزت و جاہ عظمت اور واہ کا مرکز بن جائیگا۔ تم کو وہ امارات فراغت اور حشمت مل جائے گی جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ رسالدار صاحب نے توقف کے بعد کہا کہ اس پر سوچا جا سکتا ہے۔ وہ وہاں سے گھر آیا۔ وہ سورانی کا باسی تھا۔ اپنے برادر کلاں ڈاکٹر مہر دل سے مشورہ مانگا۔ جسے رد کر دیا گیا۔ اس تجویز کے ساتھ کہ اس کام کے لئے کسی قبائل کو ہی منتخب کیا جائے کیونکہ قبائل کسی غیر قبائل کا مشکل سے معتقد بن جاتے ہیں۔

رسالدار نے پولیٹیکل ایجنٹ سے صورت حال بیان کر دی پولیٹیکل ایجنٹ نے اس تجویز کو سراہا۔ پسند اور قبول کیا۔ مگر موزوں شخص کے بارے میں استفسار کیا۔ رسالدار صاحب نے ایک موزوں شخص کا نام دیا جو ابھی ابھی ہندوستان سے تعلیم حاصل کر کے اپنے علاقے مین درس و تدریس میں مشغول تھا۔ اس روداد کی تصدیق ایک اور محفل میں رسالدار موصوف نے خود کر دی۔ مزید روداد ختم سمجھو۔ پر اتنا معلوم ہوا۔ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

ع دنیا کے بے شمار سخنہائے گفتنی

خوفِ فساد خلق سے نا گفتہ رہ گئے

ننگی جارحیت

1960ء کی دہائی کا واقعہ ہے۔ پیر برکت شاہ برادر خورد پیر مبتداء صاحب سرور اور وجد میں آئے۔ اپنے معتقدین سے کہا کہ آج صبح سب کا نیل منڈی میں جمع ہو۔ تعمیل حکم ہوئی۔ پیر صاحب نے جلال میں آکر حکم دیا کہ تم سب اپنے اپنے کپڑے اتار دو۔ خود کو مکمل ننگا کر دو نفس کو خوار کرنے کا وقت آگیا ہے۔ دیر نہ کرو ورنہ پچھتانا پڑے گا۔ ایک ٹرک کا انتظام کیا گیا۔ سب برہنہ سواروں نے بنوں شہر کا رُخ کیا۔ حسب حکم قصبان گیٹ کے نزدیک سب کو اُتارا گیا۔ وہ جلوس کی شکل میں شہر کا طواف کرنے لگے۔ شہر میں خوف پھیل گیا۔ بعض دکانداروں نے دوکانوں کے کواڑ بند کر دیئے۔ گھروں کے دروازے بھی بند ہوئے کہا گیا کہ قیامت برپا ہونے کو ہے۔ عجیب منظر تھا۔ یہ سب وزیر قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔

"بال بہت برہنہ تن۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے۔ جو صفائی ندارد تھے۔ بعضوں کے عضوِ خاص کے بالبہت لمبے، غیر تراشیدہ تھے۔ جو جنگلی انسان کے مشابہ اور مثل لگتے تھے۔ بعض بے ختنہ تھے۔ پولیس حیران اور پریشان۔ کہ ان مادر پدر آزاد مخلوق کا کیا جائے۔ میر قافلہ سے منت سماجت کے بعد ان آزاد سروں اور خود سروں کو ٹرک میں واپس سوار کر دیا گیا۔ ننگی جارحیت کی یہ سواری باد بہاری نے اب کی دفعہ علاقہ داؤد شاہ کا رُخ کیا۔ پیپل بازار پہنچے۔ وہاں علاقے کے ڈنڈا بردار لوگوں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ وہ وہاں سے فرار ہو کر نا معلوم مقام کے لئے روانہ ہوئے۔

اس واقعہ کی اطلاع امیر وزیرستان جناب نورز علی خان تک پہنچی۔ ان پر قضاء مقرر ہوا شریعت کے مطابق پیر مغاں برکت شاہ پر حد مقرر کیا گیا۔ انہیں بندوق برادروں کے سامنے لایا گیا۔

؎ مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں

جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

قبیلہ داوڑ

داوڑ اولاد شیتک میں سے تھا۔ جس وقت کیوی اور سورانی (اولاد شیتک) شوال کے علاقے سے بنوں آئے۔ یہ فرقہ یعنی داوڑ بھی ساتھ آیا۔ داوڑ شیتک کی زوجہ اول سے تھا۔ جبکہ کیوی، سورانی شیتک کی زوجہ دوم کی اولاد ہے۔ تانڑی قبیلہ بھی اولاد شیتک ہے۔ معلوم ہو کہ بنویان، داوڑ، تانڑی کا جد امجد شیتک ہے۔ کیوی، سورانی اور اولاد شاہ محمد روحانی صاحب نے بنوں خاص کا رُخ کیا اور منگل اور ہنی جو سابقہ قابضین بنوں تھے۔ بنوں سے انہیں بے دخل کر دیا گیا۔ اور خود بنوں پر قابض ہو گئے۔ یہ تیرھویں صدی عیسوی کے آخری ربعہ کی بات ہے۔ اسطرح داوڑ قبیلہ نے موجودہ علاقہ یعنی دریائے ٹوچی کے دونوں کناروں کے آس پاس وادی پر قبضہ کر لیا۔ یہ معلوم نہیں۔ اسوقت اس علاقہ پر کونسا قبیلہ قابض تھا۔ پر اتنا ضرور معلوم ہے کہ یہ علاقہ بالکل ہی غیر آباد تھا۔

عہد درانیاں میں داوڑ پر بارہ ہزار قلنگ مقرر ہوا۔ احمد شاہ ابدالی نے مردم شماری کرائی۔ جس کے مطابق داوڑ کی آبادی 12 ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ جبکہ بنویان کی آبادی 18 ہزار تھی۔ درانیوں نے شیر حسن نامی شخص کو حاکم داوڑ مقرر کیا تھا۔ تاکہ وہ داوڑ قبیلہ سے قلنگ وصول کر لیا کرے۔ مگر انہیں سخت دشواری پیش آتی تھی۔ داوڑ قبیلہ پس و پیش کر تا رہا۔ جب کابل کی طرف سے بنوں کا انتظام کافی ڈھیلا پڑ گیا۔ تو یہ علاقہ بھی قلنگ سے آزاد ہو گیا۔ جب نادر شاہ درانی بنوں آئے۔ تو بنوں بشمول وادی ٹوچی پر گرفت سخت کر دی۔ بنوں میں نادر نے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیا۔ اور بنویان اور داوڑ باقاعدہ قلنگ ادا کرنے لگے۔ یہ سلسلہ درانی/عہد تک چلتا رہا۔ پھر بھی کوئی افسر یا حاکم مقرر نہ تھا۔ سکہ پیر کی سفارش پر تیمور شاہ افغانستان نے داوڑ پر قلنگ معاف کیا۔ مگر یہ بوجھ بھی بنویان کو اُٹھانا پڑا۔ داوڑ کی زمین بہت زرخیز تھی، آپس کی دشمنی، نااتفاقی، نوکری اور سرکاری ملازمت سے اجتناب اور گھڑ سوری سے نفرت داوڑ قوم کا خاصہ ہے۔ دیگر مذہبی رسومات غمی یا خوشی، معاملات اور معمولات بنوں جیسے ہیں۔ گویا دونوں کی مشترکہ ثقافت ہے۔ کیونکہ ان کا سرچشمہ منبع اور جد امجد ایک ہی ہے۔ اسلیئے ثقافت بھی ان کا مشترکہ ورثہ ہے۔

قبیلہ داوڑ

داوڑ اولاد شیتک میں سے تھا۔ جس وقت کیوی اور سورانی (اولاد شیتک) شوال کے علاقے سے بنوں آئے۔ یہ فرقہ یعنی داوڑ بھی ساتھ آیا۔ داوڑ شیتک کی زوجہ اول سے تھا۔ جبکہ کیوی، سورانی شیتک کی زوجہ دوم کی اولاد ہے۔ تانڑی قبیلہ بھی اولاد شیتک ہے۔ معلوم ہو کہ ہویان، داوڑ، تانڑی کا جد امجد شیتک ہے۔ کیوی، سورانی اور اولاد شاہ محمد روحانی صاحب نے بنوں خاص کا رُخ کیا اور منگل اور ہنی جو سابقہ قابضین بنوں تھے۔ بنوں سے انہیں بے دخل کر دیا گیا۔ اور خود بنوں پر قابض ہو گئے۔ یہ تیرھویں صدی عیسوی کے آخری ربعہ کی بات ہے۔ اسطرح داوڑ قبیلہ نے موجودہ علاقہ یعنی دریائے ٹوچی کے دونوں کناروں کے آس پاس وادی پر قبضہ کر لیا۔ یہ معلوم نہیں۔ اسوقت اس علاقہ پر کونسا قبیلہ قابض تھا۔ پر اتنا ضرور معلوم ہے کہ یہ علاقہ بالکل ہی غیر آباد تھا۔

عہد درانیاں میں داوڑ پر بارہ ہزار قلنگ مقرر ہوا۔ احمد شاہ ابدالی نے مردم شماری کرائی۔ جس کے مطابق داوڑ کی آبادی 12 ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ جبکہ ہویان کی آبادی 18 ہزار تھی۔ درانیوں نے شیر حسن نامی شخص کو حاکم داوڑ مقرر کیا تھا۔ تاکہ وہ داوڑ قبیلہ سے قلنگ وصول کر لیا کرے۔ مگر انہیں سخت دشواری پیش آتی تھی۔ داوڑ قبیلہ پس و پیش کرتا رہا۔ جب کابل کی طرف سے بنوں کا انتظام کافی ڈھیلا پڑ گیا۔ تو یہ علاقہ بھی قلنگ سے آزاد ہو گیا۔ جب نادر شاہ درانی بنوں آئے۔ تو بنوں بشمول وادی ٹوچی پر گرفت سخت کر دی۔ بنوں میں نادر نے بڑی بربریت کا مظاہرہ کیا۔ اور ہویان اور داوڑ باقاعدہ قلنگ ادا کرنے لگے۔ یہ سلسلہ درانی / عہد تک چلتا رہا۔ پھر بھی کوئی افسر یا حاکم مقرر نہ تھا۔ سکہ پیر کی سفارش پر تیمور شاہ افغانستان نے داوڑ پر قلنگ معاف کیا۔ مگر یہ بوجھ بھی ہویان کو اُٹھانا پڑا۔ داوڑ کی زمین بہت زرخیز تھی، آپس کی دشمنی، نااتفاقی، نوکری اور سرکاری ملازمت سے اجتناب اور گھڑسوری سے نفرت داوڑ قوم کا خاصہ ہے۔ دیگر مذہبی رسومات غمی یا خوشی، معاملات اور معمولات بنوں جیسے ہیں۔ گویا دونوں کی مشترکہ ثقافت ہے۔ کیونکہ ان کا سرچشمہ منبع اور جد امجد ایک ہی ہے۔ اسلیئے ثقافت بھی ان کا مشترکہ ورثہ ہے۔

ایڈورڈز نے بنویان کے بارے میں جن خیالات کاذکر کیا ہے۔ وہی کچھ ایڈورڈز نے داوڑ کے بارے میں لکھا ہے۔

اے ایرآن دی پنجاب فرنٹیر صفحہ 180 اسطرح بنوں کے باب میں صفحہ 60 ملاحظہ ہو۔

ایڈورڈز لکھتا ہے۔

Daurs are the most vicions & degraded tribes of the Afghan nation. Page180

داوڑ کو شر پسند اور گری ہوئی قوم بتایا گیا ہے۔ بنویان کو مجسم شیطان کہا ہے۔ جبکہ بنوں جنت نظیر علاقہ ہے۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار ڈاکٹر پینل، تھاربرن اور دیگر مغربی مصنفین اور مبلغین نے بنویان کے بارے میں کیا ہے۔

ایڈورڈز کٹر کھتیولک تھا۔ آتے ہی بنوں میں دو گرجا گھر تعمیر کرائے۔ بنویان کو زور وزر کے ذریعے آزادی سے محروم کرنا چاہا مگر وہ کسی طور پر ایڈورڈز کے دام میں آکر رام نہ ہو سکے تھے بنوں میں جو بھی انگریز حکمران آیا وہ مشنری جوش وجذبہ رکھتا تھا۔ ان کا مقصد تبلیغ اور ترا یج عیسائیت اور امن وامان قائم کرنا۔ یعنی یہاں کے باسیوں کو مطیع اور غلام بنانا مقصود ہوتا تھا۔ یہ عیسائی منتظمین / مبلغین زندگی یا زندگی کا کچھ حصہ اسی مقصد کے لئے وقف کر دیتے تھے اور جو بھی قوم وقبیلہ ان کا راستہ اور روش روکتا، ٹوکتا اور رکاوٹ بنتا اسے بدی کا محور کہا گیا، شیطان، بد باطن پکارا گیا۔

ان مغربی مصنفین کے یہ کلمات اور حرکات بنویان اور قبیلہ داوڑ کے لئے باعث شر مساری نہیں۔ بلکہ ان کا جذبہ حمیت اور سرشاری کی دلیل ہے۔ جس پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ اور جن افراد نے اطاعت گزاری اور مصلحت آمیزی اور قوم وملت کے ساتھ بیوفائی کو شعار بنایا اور اپنی ساری زندگی انگریزوں کے لئے خبر کاری اور خبر گیری کا فریضہ انجام دیا وہ بہترین سمجھے جانے لگے اور جو غیرت مند تھے انہیں غدار پکارا گیا۔ جبکہ غداروں کو وفادار کہا گیا۔ انہیں خان بہادر، خان صاحب، رئیس اور نواب کے خطابات دیے گئے۔

؎ جھکنے والوں نے رفعتیں دیکھیں

ہم خودی کو بلند کرتے رہے

داوڑ کے علاقے میں غیر داوڑ اور انکی تعداد بمطابق مردم شماری بوقت احمد شاہ ابدالی۔ ملخ ایک ہزار، عیدک ایک ہزار، درپہ خیل ایک ہزار دوسو، امی خان یا اخروئی ایک ہزار۔

میجر ایڈورڈز کی بنوں سے مراجبت

2مارچ 1848ء کو ایڈورڈز گانڈی پہنچے اور وہاں سے تتر خیل کے لئے معہ محافظ دستہ روانہ ہوئے گندم کی لہلہاتی فصلوں وادی زمین زمردین بن گئی تھی اس سال معمول سے زیادہ بارشیں ہوئی تھیں۔ بہار کا موسم دکھا رہا تھا۔ فضا مہک اور چہک سے معمور تھی۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی انسان حیوان اور وحوش فطرت کی حسن سے مسحور اور مخمور تھے۔ زمین حد نظر تک ہموار اور پُر بہار تھی۔ بعض مقامات پر ژالہ باری نے تباہی مچادی تھی فصلوں کو نقصان پہنچا تھا۔ اناج بالیوں اور خوشوں میں سے جھانک رہا تھا کہ ژالہ باری ہوئی اور سب کچھ پیوند خاک ہوا۔ بقول۔ کسے آئندہ موسم میں پھر سے اُگ آنے کی اُمید باقی ہے۔ ہم (ایڈورڈز) جہاں جہاں پہنچے آس پاس کی دیہاتی خواتین سے بے باکانہ آمنا سامنا رہتا۔ محسوس ہوا آج حسن نسوانی جوبن سے بے محابا ہوا چاہتا ہے ان خواتین کے ہاتھوں میں عرمنداشتیں تھیں۔ شاید وہ امسال اضافی مالیہ کی معافی کے لئے خواستگار تھیں۔

یہ خواتین جن کی تعداد تقریباً 200 تھی۔ پردے سے بے نیاز سرخ اور سبز پیرہن میں ملبوس تھیں۔ یہ خواتین تندرست اور توانا چھریرا بدن متوازن اور متناسب قدوقامت رکھتی تھی۔ دانت جیسے موتی چمکدار اور مزیدار۔ یہ خواتین میرے حفاظتی دستے کا حصار توڑ کر میرے پاس بہت قریب پہنچیں۔ زمام کو تھاما مجھے ہلنے اور بولنے تک کا موقع نہیں دیا۔ گویا آج میں عملاً ان کا محصور قیدی بن گیا تھا۔ یہ سب خواتین درخواستیں بدستِ میرے اردگرد جمع ہو گئیں۔ اور بیک وقت اور یک زبان ہو کر کہنے لگیں۔

عرض لری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عرض لری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عرض لری

لری عرض۔۔۔۔۔۔ عرض لری لری لری عرض عرض

عرض لہری کا وظیفہ اور ورد اس تسلسل اور ادا سے کرنے لگیں۔ ایسا لگا کہ آواز سے فضا میں ایک خاص نغمگی تحلیل ہو جس سے خاص دھُن، سر تال کی پھوار میں اُتار رہی تھیں۔ جو دل ریز بھی تھی اور ترنم ریز بھی تھی یوں لگا جیسا کہ

عرض۔۔۔۔۔۔ لری۔۔۔۔۔۔ لری

لری۔۔۔۔۔۔ عرض۔۔۔۔۔۔ عرض

عرض۔۔۔۔۔۔ عرض۔۔۔۔۔۔ لری

لری۔۔۔۔۔۔ لری۔۔۔۔۔۔ عرض

سب کا ایک ہی مفہوم تھا کہ ہم سب ایک ہی عرض کرتی ہیں۔

ساتھ ساتھ قہقہوں کی مسحور کن اور مخمور آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ نغمگی اور موسیقیت کی جو کیفیت، کیف و سرور ماحول میں تحلیل ہوا۔ اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ جو صرف گوش تصور کے لئے چھوڑا جا سکتا ہے۔ خواتین کے اس ایک جملے میں حسن کا جادو پنہاں تھا۔ اس میں بلا کی کشش اور ابہام پایا جاتا تھا یہ بھی حسن کا ایک کرشمہ اور لازمہ ہوتا ہے۔

دور دور تک کسی مرد کا نشان اور نام و نمود نہ تھا۔ شاید مرد حضرات کسی کونے کدرے میں چھپکے بیٹھے یہ تماشہ کر رہے تھے دیکھیں آج مشرقی نسوانی حسن کا فرنگی نژاد پر کیا جادو جگاتی ہے۔

میں ان خواتین کے جھرمٹ اور جھلر میں بری اور پوری طرح پھنس چکا تھا۔ چاہا اس طلسم ہوش ربا سے نکلنے کی کوئی سبیل ہو آخر جرات کر کے کسی طور پر خواتین کے حصار سے خود کو آزاد کیا اور گھوڑے کو مہمیز لگا دی۔ میں ان کے چنگل سے نکل آیا تھا۔ مگر پھر بھی نسوانی قہقہوں نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور ان کی گونج دیر تک اور دور دور تک سنائی دینے لگی تھی۔

میرے محافظ دستہ میں سے کچھ بارکزئی افغان تھے وہ انگشت بدندان اور حیران تھے اور توبہ! توبہ! شرم۔۔۔۔ شرم کہنے لگے تھے۔

ایک انکشاف

ایڈورڈز لکھتا ہے کہ :

میں (ایڈورڈز) جب گانڈی پہنچا۔ تو مجھے حیرت ہوئی کہ گاؤں کی خواتین آبادی نے میرا استقبال کیا ان کے ہاتھوں میں درخواستیں تھیں۔ سب کا مطالبہ یہ تھا کہ ان مردوں نے مالیہ میں دھوکہ نہیں کیا ہے۔ انہیں اضافی مالیہ معاف کیا جائے۔ اس راز سے محمد بہرام خان نے پردہ اُٹھایا تھا۔

وہ کہہ رہی تھیں کہ ان کے مردوں پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔ کہ ان کے مردوں نے سرکاری کارندوں کو دگنی رشوت دی تھی۔ میں جانتا تھا کہ افغان پیشہ ور اور موروثی درخ کو ہوتے ہیں۔۔ ان خواتین کے ساتھ ایک ہندو ترجمان بھی تھا۔ جو زرد رنگ کی پگڑی پہنے رکھا تھا اور ایک چالا بھی میں نے محسوس کیا کہ مروت بنوں والوں کے مقابلے میں زیادہ روادار ہیں۔ کیونکہ بنوں میں ہندو پگڑی نہیں پہن سکتا اس ترجمان نے مجھے بتایا کہ گاؤں گنڈی میں صرف دو بوڑھے اشخاص ہیں کیونکہ باہم دشمنی کے باعث جوانی میں ہی اکثر لوگ قتل کئے جاتے ہیں۔

جو کوز مروت اور دلکوزی مروت کے دو گروہوں میں باہمی خانہ جنگی کے بھینٹ چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک قبیلہ کا سربراہ ظفر خان تھا۔ اور دوسرے کا صاحب خان۔ سال میں کم از کم تین بار مسلح تصادم ہوتا تھا۔ لکی کی حکومت دونوں کا استحصال کرتی رہی ہے۔ کبھی ایک کا اور کبھی دوسرے گروپ کا ساتھ دیتی رہی تھی۔

مروت

قبیلہ مروت اور بنویان

اولاد شیتک (بنویان) تقریباً بارھویں صدی کے اختتام پر بنوں آئے اور یہاں سے ہنی اور منگل قبیلوں کو بے دخل کر دیا۔ کچکوٹ منگل اور ہنی کی یادگار نہر ہے۔ جو ان دنوں زراعت اور آب پاشی کے لئے کفیل تھی۔ علاقہ کی بھرت بشمول علاقہ میریان خوب آباد و شاداب تھا۔ جبکہ علاقہ سورانی تقریباً جنگل اور غیر آباد تھا۔

اولاد شیتک چار سو سال تک امن و چین سے رہے۔ مگر بعد میں خٹک اور قبیلہ مروت نے بنوں پر دست درازی شروع کر دی۔ لہذا بنویان کو علاقہ میریان تک محدود کر دیا گیا۔ اور وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ کیونکہ مروت قوم بڑی مضبوط اور متفق قوم تھی۔

قبیلہ مروت کا پس منظر

مروت قوم نیازی کی ایک شاخ ہے جو بنویان سے دو سو سال بعد میں بنوں آئے اور تحصیل لکی کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ بنویان کی کفالت کے لئے بنوں خاص کی اراضی کافی زیادہ تھی۔ چنانچہ بنویان خوش و خرم گزر اوقات کرتے رہے جو علاقہ مروت قوم کی تصرف میں آیا وہ مروت کہلانے لگا۔

نیازی اور مروت

نیازی شل غر میں آباد تھی جو اب سلیمان خیل کے قبضے میں ہے۔ خلجیوں نے نیازیوں کو آگے دھکیل دیا۔ جنہوں نے ٹانک کے علاقے میں پناہ لے لی۔ جہاں نیازی کئی پشتوں تک رہے نیازی تجارت پیشہ تھے جیسے کہ ان کے رشتہ دار لوہانی ہوتے تھے۔ پندرھویں صدی کے اختتام تک ان کی تعداد کافی بڑھ گئی۔ تو قبیلہ مروت شمال کی طرف بڑھنے لگا۔ اور میدانی علاقہ پر قبضہ کیا۔ یہاں پچاس سال تک امن سے رہے۔ مگر بعد میں لوہانیوں کو جودھی قبیلہ کا ذیلی شاخ

ہے۔ حملہ آور ہوئے مگر انہیں شکست دے دی گئی۔اور انہیں درہ تنگ تک بھگا دیا گیا۔ جن نیازیوں کو بھگادیا گیا۔ اور جہاں آباد ہوئے وہ عیسک خیل، مشانی اور سر ہنگ پر مشتمل ہے۔

مروتوں میں گوند اور محاربے

مروتوں میں گوند اور گوندوں میں محاربے مروت قوم دو حصوں میں تقسیم ہے۔
تور گوند یا سیاہ گوند ہے۔ سپین گوند یعنی سفید گوند۔

جب درانیوں کی طاقت ماند پڑ گئی اور وہ کمزور ہو گئے تو اس وقت سیاہ گوند نے سپین گوند (نواز گروپ) کو زیر کر دیا۔ سپین گوند والوں نے نواب آف ڈیرہ حافظ رحمت خان سے مدد حاصل کی اب نواب نے عیسک خیل پر بھی قبضہ کر لیا جو اسوقت ضلع بنوں کا حصہ تھا۔ نواب نے کمک کے لئے دیوان مانک رائے (ریونیو کلکٹر) کو ایک دستہ فوج دیکر بنوں روانہ کیا۔ جس کے باعث سپین گوند نے تور گوند (سیاہ گوند) کو شکست دے دی۔ یہ خونی معرکہ بمقام نصروال جو لکی اور درہ تنگ کے درمیان ہے۔ واقع ہوا۔ مروت قوم کی باہمی رقابت کے باعث نواب ڈیرہ کی ہدایت پر پورے علاقے پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس طرح مروتوں کی آزادی سلب کر لی گئی۔ اور پھر ہر سال سیاہ گوند (تور گوند) کے فصل بہار کو تلف کر دیا جاتا تھا۔ اور سپین گوند (سفید گوند) کا بیشتر حصہ مالیہ میں چلا جاتا۔ یہ سلسلہ چار سال تک جاری رہا۔ نواب ڈیرہ کی بنوں پر نظر پڑی اور بنوں والوں کو بھی غارت گری سے دوچار کرتا رہا۔

ایک بار دیوان مانک رائے آکرہ کی طرف بڑھے تاکہ بنوں خاص پر قبضہ ہو بنوں والوں نے پہلی بار احساس زیاں کے جذبے کے تحت باہمی یگانگت اور اتحاد کا مظاہرہ کیا اور ملک دکس خان کی سرکردگی میں یک جان دو قلب ہوئے۔ خوجڑی کے مقام پر خون ریز تصادم ہوا۔ جسمیں دیوان مانک کو شکست ہوئی بنوں والوں نے اس کا دور تک تعاقب کیا۔ نواب نے انتقام لینے کے لئے مصمم ارادہ کر لیا۔ اور 1828ء میں عیسک خیل کو اپنے قلمرو میں شامل کیا۔ دوسرے سال علاقہ مروت پر چڑھائی کر کے فتح کیا۔ مگر سکھوں نے نواب کی یہ کامیابی اور خوشی ختم کر دی کیونکہ رنجیت سنگھ بھاری بھرکم فوج کے ساتھ بنوں روانہ ہوا۔ مروت اور عیسک خیل نے مزاحمت نہ کی اور بنوں کے مضافات تک پہنچا۔ یہان وہ تین ماہ قیام کے بعد مقام حاجی ونے سے واپس ہوا۔ یہاں بنوں

کے مشران کو بلایا گیا۔ اور سمجھوتا ہوا جس کی پاسداری ہنویان نہ کر سکے۔ بارہ۔ تیرہ سال تک نواب ڈیرہ اور سکھ حکمران باری باری مروت قوم سے باج وصول کرتے رہے۔ جب نواب ڈیرہ 1836ء میں فوت ہوا اس کے ساتھ نیم آزاد ریاست کا خاتمہ ہوا سکھ بلاشرکت غیر ضلع ڈیرہ کے بھی ملک بنے۔

قوم مروت نے بھی زمینی حقائق کو تسلیم کر کے سکھوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ اور مزاحمت کو بے فائدہ سمجھا۔ البتہ کچھ سر پھرے مال مویشی ساتھ لیکر پہاڑوں میں پناہ لیتے حالات معمول پر آنے کے بعد اپنے علاقوں میں واپس آجاتے۔ اور بعض مروت بامر مجبوری باج کے طور اپنے مال مویشی سکھ حکمران کو پیش کرتے رہے۔ مروت مقابلہ اور مزاحمت کرنے سے بھی قاصر تھے۔ کیونکہ ان کے گھر، گاؤں خس و خاشاک سے استادہ ہوتے تھے یا جونپڑیوں میں رہتے تھے۔ کیونکہ بیشتر زمین مروت ریگستانی تھی جن سے تعمیر مکان ناممکن تھا۔ ہوں کا ہر گاؤں قلعہ نما ہوتا تھا۔ ہر گاؤں کے اردگرد اونچی اور مضبوط فصیل ہوا کرتی تھی۔ لہذا ہنویان مضبوط دفاعی قوت کے مالک تھے۔

زباں و بیاں

قوم مروت کی زبان گھلاوٹ، حلاوت، ملائمت اور طراوت سے لبریز ہے۔ اس زبان میں شیرینی اور مٹھاس پایا جاتا ہے۔ مروت کی بولی میں پیچ خم بالکل نہیں وہ اس خامی سے آزاد ہیں۔ فطری حسن سے مالا مال اور معمور ہے۔ زبان اور لب ولہجہ شخصیت کا پرتو ہوتا ہے۔ اس کا ترجمان اور عکاس ہوتا ہے۔ اسلئے دیکھا جائے تو خود قوم مروت اجتماعی اور انفرادی حیثیت میں تصنع سے اور تکلف سے پاک اور تعلقات اور گفتگو میں بے باک ہوتے ہیں۔ یہ قبیلہ نرم ، ملنسار اور وفا شعار ہوتا ہے۔ بغض کینہ پیچ و خم سے بیزار قوم، خلوص و سادگی اس قوم کا وصف خاص اور شعار ہے۔

قوم مروت کا اصل و نسل

مسمی مروت، قبیلہ مروت کا مورث اعلیٰ ہے۔ مسمی مروت پسر سیانی، پسر لوہانی ہے۔ لودی شاہ حسین کا بیٹا ہے۔ جسکی شادی بیٹ نیکہ کی دختر ماتو سے ہوئی جس کے بطن سے لودی پیدا ہوا۔ لوہانی کی دو بیویاں تھیں۔ پہلے بیوی سے پانچ بیٹے پیدا ہوئے اور دوسری بیوی سے مروت پیدا ہوا اس نے خوب نام پیدا کیا۔ اور اسی نسبت سے اس کی اولاد کو مروت کہا جانے لگا

قبیلہ مروت کا پہلا مسکن بٹہ واز تھا۔ اب اس علاقے پر سلیمان خیل خلجی قابض ہیں۔ قبیلہ مروت کا خاص پیشہ شیبانی یعنی مال مویشی پالنا تھا۔ وہ زراعت کی طرف کم مائل تھے۔ جہاں چراہ گاہ میسر آئی وہاں نقل مکانی بھی کرتے تھے۔ البتہ بٹہ واز کا جنوبی حصہ میں جو بارانی تھا اور جسے وہ کرابہ کہتے تھے۔ کاشتکاری بھی کرتے تھے۔

سبب اخراج

کہتے ہیں کہ فرقہ سلطان خیل شاخ سلیمان خیل خلجی کے ایک ملک کلاں آزاد خان کی بیوی کو ایک غلام ورغلا کر بھگا کر لے گیا۔ اور قبیلہ مروت کی پناہ میں آیا۔ خلجیوں نے مغوی عورت کا مطالبہ کیا۔ مروت قوم نے انکار کیا۔ دولت خیل قبیلہ نے مروت کا ساتھ دیا۔ بس اس پر خلجیوں نے لشکر کشی کی۔ اس پر لڑائی میں بیشتر مروت غلام اور مغوی عورت کو قتل کیا گیا۔ اور جو مروت بچ گئے۔ انہیں بٹہ واز علاقے سے بشمول دولت خیل بے دخل کر دیا گیا۔ دولت خیل اور مروت قبیلہ ٹانک اور دامان کی طرف نکلے۔ اس علاقے پر بلوچ قوم قابض تھی۔ جسے ان قبائل نے بے دخل کر دیا۔ دولت خیل اور مروت امن و چین سے رہنے لگے۔

مگر ایک عرصے بعد مروت اور دولت خیل قبیلہ میں نفاق پیدا ہوا۔ دولت خیل نے مروت پر غلبہ پا کر انہیں ٹانک سے بے دخل کیا۔ مروت قوم درابن سے لیکر درہ پیزو تک پہاڑ میں جابسی۔ مروت قبیلہ کے ایک بار پھر دولت خیلوں پر حملہ کر کے ٹانک لے لیا۔ مگر قوم کٹی خیل باتعاون قوم گنڈاپور انکو ٹانک سے بے دخل کیا۔ قبیلہ مروت تب سے تھل اور دامان پر مکمل قبضہ کیا۔

وجہ تسمیہ

جب سے مروت قبیلہ نے تھل اور دامان پر قبضہ کر کے یہاں آباد ہوئے تو اسی نسبت سے اس علاقے کو علاقہ مروت کہا جانے لگا۔

قابضانِ سابق

ظہور اسلام سے ما قبل اس پورے علاقے پر ہندو، یونانی جو بعد میں مخلوط قوم ومذہب برآمد ہوئی۔ قابض تھے۔ محمود غزنوی اور محمد غوری نے ان کی کمر توڑی اور اسلام پھیلانے کے لئے راستہ ہموار کیا۔ اثارِ قدیمہ سے اس بات کے کافی شواہد ملتے ہیں۔ مثلاً موضع احمد خیل اور دامن کوہ میں بایست خیل میں نشانات قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ کافی عرصے بعد نیازیوں کی شاخ فرہنگ اور عیسیٰ خیل ٹانک کی طرف سے آکر قدیم آبادی کو ہٹا کر خود قابض ہو گئے نیازیوں نے پہاڑ خیل کو بطورِ چراگاہ قبضہ اور استعمال کرنے لگے اور دریائے کرم سے نہریں ییں نکال کر تلکی آباد کیا۔ قریب وجوار میں زراعت شروع کر دی اس وقت قوم نیازی میں مسمی مدی سرہنگ نامدار ملک کلاں تھا۔

حال مزید قوم مروت

کہتے ہیں جب فرقہ میہار بو شاخ نیازی سے تھا۔ قوم سرہنگ و عیسیٰ خیل سے سبب ناراضگی قوم مروت کے پاس مدد طلب کرنے آیا قوم مروت بھی یہی چاہتی تھی چنانچہ مسمیان مینا خان تتر خیل و قتل خان موسیٰ خیل قوم نیازی کی مال مویشی پر تاخت کر کے لوٹ کر لے گئے۔ اس طرح قوم نیازی اور قبیلہ مروت میں ٹھن گئی سرہنگ کے ساتھ معمولی لڑائی ہوئی مگر سرہنگ قوم نے مروت قبیلہ کی قوت واتفاق کو دیکھ کر صلح جوئی کی درخواست کر دی۔ گل خان اور مینا خان اور بعض دیگر مالکان کلاں نے دریائے کرم کا جنوبی تھل حاصل کیا۔ اور صلح منظور کی مگر موسیٰ خیل شاخ مروت کو یہ صلح پسند نہ آئی۔ اور قتل خان کی قیادت میں دریائے کرم کے شمالی جانب میں واقعہ ٹی مچن خیل کے مقام پر نیازیوں سے جنگ کی۔ اس لرائی میں مسمی مدی سرہنگ ملک کلاں مارا گیا اور انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور درہ تنگ کی مشرقی جانب آباد ہوئے۔ بعد میں قتل خان بھی

شکار کھیلتے ہوئے مارا گیا۔ قبیلہ مروت نے قوم ٹمن خیل سے کوئی تعرض نہ رکھا کیونکہ یہ فرقہ فقیر طبع تھا۔ یہ فرقہ تاحال ٹٹی ٹمن خیل میں آباد ہے۔ اس جملہ علاقے پر تقریبا 1856ء کے فوراً بعد قبضہ جمایا۔ قبیلہ مروت نے مقبوضہ علاقے کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ قبیلہ سالار نونہ خیل ، موسیٰ خیل ، تپی میں مساوی تقسیم کیا۔ یہ تقسیم اور حصص مساوی برائے شریعت اسلامی ہوئی۔ کیونکہ یہ چار پسرانِ مروت بعد میں تیمور شاہ سدوزئی کے عہد میں مسمی قلندر خان ملک فرقہ آدم زئی نے اپنی ذاتی رسوخ کے باعث قوم تپی سے حصہ بزور لیا۔ جن کے لئے اس نے قلنگ ادا کیا تھا اور تین حصوں کا ملک بنا۔ یعنی تپی موسیٰ خیل ہر دو حصہ معہ نونا خیل ، بہرام اولاد سالار ۔ وریئی پلار ، مزید تھل کا علاقہ بنجر تھا۔ جس کسی نے اس بنجر زمین کو آباد کیا وہ بھی اس کا حصہ قرار دیا جانے لگا۔ اس طرح زمین پیمائش اور تعداد میں کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ مگر جہاں تک نہری زمین کا تعلق ہے۔ قبضہ قدیمہ قائم ودائم ہے جو ذیل پر مشتمل ہے۔ مغربی حصہ تپی ، موسیٰ خیل ، نونا خیل اور وسط میں بہرامخیل مشرقی حصے میں دری پلارہ سکونت تھے ۔

مروت شجرہ نسب پسرِ لوہانی

بدوش وچوار خیل برادراں پسران صدو

بازی خیل ، شہباز خیل ، فتح خان خیل ، عالم خیل ، آزر خیل برادران پسران قصرو خیل ،

علی خان خیل وقصرو خیل ، صدو برادران پسران تختی خیل ،

جبی خیل ، احمد خان خیل ، خٹک خیل برادران پسران ممریز خیل ،

ڈنگوزئی ، قتل خیل مندر خیل برادران پسران بہرام ،

بہرام خیل صورت خیل ، نیک زمان خیل ، بازک خیل فقیر ملا خیل برادران پیران پارسنے

بہرام خیل ، تختی خیل ، پارسنے رگڑ خیل برادران پسران بائی زئی

خانوزی ، بائی زئی برادران پسران موسیٰ خیل

موسیٰ خیل ، تپیے ، نونہ خیل ، سلاز ، برادران پسران مروت پسر لوہانی

کمیت خیل، میاخیل، متھا خیل بر ادران پسر ان مرزا خیل

ادین خیل، بازو خیل بر ادران پسر ان اسماعیل خیل

دوڑ خیل، تحصیل خیل بر ادران پسر ان زنگی خیل

باقر خیل، بوبو خیل، سانڈ خیل بر ادران پسر ان درے پلار

زنگی خیل درے پلار بر ادران پسر ان تاجوزئی

تاجوزئی، ملک زئی، چندو خیل بر ادران پسر ان تاجوزئی

خانوزئی، بائی زئی بر ادران پسر ان موسیٰ خیل

موسیٰ خیل، تپئے نونہ خیل، سلار بر ادران پسر ان مروت

بازی خیل، شہباز خیل، فتح خان خیل، عالم خیل، آزر خیل بر ادران پسر ان تعرو خیل

اسپندو خیل، ننگر خیل بر ادران پسر ان علی خان خیل

غازی خیل، دولت خان خیل عالم خیل بر ادران پسر ان شمشان خیل

بدنے خان شمشان خیل بر ادران پسر ان ملک زئی زوجہ اول سے

جلو خیل چندو خیل زوجہ اول سے

خان خیل پسر ملک زئی زوجہ دوم سے

مرزا خیل پسر زنگی خیل پسر تاجوزئی

مرزا خیل چوزی خیل بر ادران پسر ان دریا خان خیل

دریا خان خیل مستان خیل بر ادران پسر ان بائیست خیل یا بازید خیل

بائست خیل اگے زئی بر ادران پسر ان اتمان خیل

مانک خیل خویداد خیل خواجی خیل خمار خیل بر ادران پسر ان آدم زئی

تتر خیل مرزا خیل بر ادران پسر ان عیسک خیل

عیسک خیل شادی خیل ہنک خیل بر ادران پسر ان کوکو خیل

کوکو خیل نصرت خیل ملے زئی بر ادران پسر ان سلیمان خیل

سلیمان خیل اتمان خیل احمد زئی بر ادران پسر ان تھے۔

کریم داد خیل قلندر خیل برادران پسران شادی خیل

گوزی خیل اسمٰعیل خیل حبیب خیل برادران پسران نصرت خیل

بہا خیل راجو خیل اعظم خیل برادران پسران عبدل خیل

عبدل خیل درت خیل ممشے زئی برادران پسران احمد زئی

قتل خیل کما خیل مغل خیل برادران پسران لمشے زئی

خواجو خیل غت خیل دلو خان خیل عظمت خیل برادران پسران درت خیل نونا خیل

حاجی خیل خواجی خیل سلیمان زئی برادران پسران حضر خیل

حضر خیل میرل زئی موٹی خیل سین خیل برادران پسران علی زئی

بکا خیل پئی خیل برادران پسران میرل زئی

عیسیٰ خیل بلو خیل برادران سپران عمر خیل

جان خان خیل کوکو خیل پائندہ خیل مچی خیل برادران پسران عیسپ خیل

کلا خیل عیسپ خیل برادران پسران نرمی خیل

تری خیل ملی زئی برادران پسران نونا خیل

سلار

سندر بہرام برادران پسران سلار

اچو خیل خدو خیل بر دران پسران سندر

ستی خیل دری زئی مما خیل بہرین خیل سمل خیل برادران پسران اچو خیل

جانو خیل پسر دری زئی

کتا خیل احمد خیل برادران پسران مجا

سراج خیل پسر بدین خیل

میر داؤ خیل دولت خیل برادران پسران کتا خیل

فروز خیل عیسک خیل مائل خیل برادران پسران میر داد خیل

لودی خیل خواجہ خیل شاہ من خیل برادران پسران فرند خیل

شاب خیل، جمال خیل ہنک مہ دین صاحب داد خیل برادران پسران عیسک خیل

برت خیل پیر دری خیل

سکندر خیل ورنگ خیل قلی خیل برادران پسران برت خیل

عالم شاہ خیل ظنوطبہ خیل لبوری خیل برادران پسران خواجہ خیل

شیر بیگ خان شہزادہ خیل شادی بیگ خیل لالی خیل بیگ خیل برادران پسران لنگر خیل

لنگر خیل تاجی خیل جبار خیل برادران پسران کلی خیل

گمر خیل ظفر خیل اطرز خیل بدر خیل شیر خان خیل شالمی خیل باز خیل سلیمان خیل برادران پسران جبار خیل

املی خیل کری خیل خاندان خیل گلا خیل ظفر خیل برادران پسران نور خیل

جلال خیل عیسیٰ خیل برادران پسران دلاور خیل

آدم خیل پہاڑ خیل سعداد خیل برادران پسران مرادی خیل

حیات خیل نادر خیل مائلی خیل برادران پسران رمس خان پیر عبدالخلیل

سملی خیل شرک عبدل خیل ٹافیل برادران پسران دولت خیل

مرداد خیل دولت خیل برادران پسران کٹا خیل

اکبری خیل شاہ سلیم خان برادران پسران شادی بیگ

ممر خیل ظفر خیل اطرز خیل بدر خیل شیر خان خیل شاتمی خیل باز خیل سلیمان خیل برادران پسران جبار خیل

لعل خان صوز خیل مالتی خل منجی خیل برادران پسران بدر خیل

دولت خیل علی خان دلیل خان برادران پسران قلی خیل

علی خان دلیل خان دولت خان برادران پسران حاجو خیل

خدو خیل ولد سندر

نوٹ: اچو خیل، خدو خیل پسران سندر کے ساتھ دولت شاہ خیل ہر سہ کی اولاد کو دری پلاری کہتے ہیں۔

نواز خان پیر تاجا، تاجا، بیگ خیل، خویداد خیل برادران پسران مینا خیل

پیر فرید

مزید، واری خیل پیر برادران پسران سکندر خیل

سکندر خیل، موخیل کاکا خیل برادران پسران خذر خیل ولد سندر

سالار خیل حسن خیل برادران پسران تتر خیل

تتر خیل عاقل خیل برادران پسران سعید خیل

راجو خیل مینا خیل سعید خیل برادران پسران پیر فرید

صدر خیل میری خیل گل خان خیل علی خان خیل ولی خیل برادران پسران عظمت خیل

عظمت خیل پسر شعیب خیل

سیب خیل میاں خیل برادران پسران شہباز خیل پسر راجو خیل

اشرف خیل ظریف خیل غیرت خیل برادران پسران رحمٰن خیل

رحمٰن خیل شیخ جسن برادران پسران جانک خیل

جانک خیل لاج میر خل عمر خیل برادران پسران لالی خیل

لالی خیل آسک خیل برادران پسران تیروز خیل

تیروز خیل آزاد خیل برادران پیران مندر خیل

مندر خیل زنگی خیل سلطان خیل جلو خیل علماء خیل برادران پسران موخیل

موخیل سکندر خیل کاکا خیل برادران پسران خذر خیل پیر سندر

درک پیر شیخ جسن

شہباز خیل/شہباز خانے الہ داد صورت خیل برادران پسران آسک خیل

بائست خیل ظریف خیل برادران پسران ہولا خیل

ہولا خیل الہ داد برادران پسران آزاد خیل

آزاد خیل تیروز خیل برادران پسران مہندر خیل

چوری خیل چار گل خیل برادران پیران الہ داد خیل

الہ داد خیل ہوس خیل برادران پسران آزاد خیل

کرح خیل مانک خیل برادران پسران مدر خیل

مدر خیل داوت خیل اسمٰعیل خیل برادران پسران زنگی

بہادر خیل گل احمد خیل برادران پسران بولہ خیل

بولہ خیل پٹول خیل برادران پیران پہاڑ خیل

پہاڑ خیل سلطان خیل مہندر خیل زنگی خیل جلو خیل علی خیل برادران پسران ممو خیل

خوجی خیل نظام خیل بینابرادران پسران ککا خیل

ککا خیل ممو خیل سکندر خیل برادران پسران خذر خیل پیر سندر

جلال خیل مدد خیل عالم خیل برادران پسران اسمٰعیل خیل

اسمٰعیل خیل مدد خیل ذاوت خیل برادران پسران زنگی خیل

بہرام سپہ سالار

شیر خان خیل گل خان خیل فراز خیل دمک خیل عمر خیل رحمٰن خیل لمباری برادران پسران عزیز خیل بمباری پیر عزیز خیل

عزیز محل پیر فتح مسعود مسعود خیل برادران پسران میری خیل

میری خیل نصر خیل برادران پسران مندہ خیل عزیز خان پیر فتح مسعود

ماندہ خیل مما خیل لنڈری برادران پسران غزنی خیل

غزنی خیل بالیت خیل تتر خیل لنڈکی برادران پسران طوطی زئی

طوطی زئی سلیمان دولت خورزی تاجی زئی یوسف خیل برادران پسران

ایمن خیل ہوس خیل برادران پسران خذر خیل پیر مسعود خیل

کٹی خیل غودل خیل برادران پسران دعوت خیل

دعوت خیل یدبن خیل قمردین خیل جنگ خیل عدول خیل برادران پسران منڈکی

سکندر خیل قطب خیل الہداد خیل برادران پسران اغزر خیل پیر تپائی خیل پیر لہر خان

مہر خان شیر خان جابو خیل حسن خیل برادران پسران خواص خیل

خواص خیل ننگر خیل غازی خیل معز خیل عثمان خیل برادران پسران عمر خان خیل

عمر خان خیل فرید خیل احمد نصرت برادران پسران سلیمان

سلیمان طوطی زئی خوازی تاجی زئی یوسف خیل برادران پسران بہرام پسر سالار .

حیان داد خیل پیر مہابت پیر شیر خان

شیر خان منیر خان جوبو خیل مہر خان حسن خیل برادران پسران خواص خیل

وہ شاخیں۔ جن کے بارے میں اختلاف ہیں۔ علاقہ مروت میں کچھ علاقوں کے بارے میں اشتباہ پایا جاتا ہے۔ کہ وہ اصل مروت نہیں مگر تحقیق کے بعد بعض مفروضے غلط بھی ثابت ہوئے ہیں۔

قوم ملا خیل

اکثر دیہات میں اس قبیلے کے لوگ منتشر آباد ہیں مقامی باسی انہیں فقیر کہتے ہیں۔ جنہیں ملا عثمان کی اولاد کہا جاتا ہے۔ یہ قوم مروت قبیلہ کے ساتھ خلط ملط ہو چکے ہیں۔ بودوباش اور عادات و پوشاک بھی ایک جیسی ہیں۔

ممریز خیل

قبیلہ بہرام خیل کے ساتھ قدیمی تعلق کی بناء پر مزید نوغ اور مشترکہ خرچ کے سبب انہیں بہرام خیلوں سے حصہ ملا ہے۔ اس نسبت سے مروت مشہور ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ خود اصل مروت نہیں۔

شاخ ملک زئی

بعض لوگ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ یہ قبیلہ قوم نیازی میں سے ہے۔ مگر یہ خیال اور خام غلط ہے۔ حقیقت میں جاہو زئی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اصل مروت ہیں۔

شاخ مرزا خیل

ایک باطل خیال کو شہرت ملی۔ کہ یہ شاخ خٹک سے ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ شاخ اتمان خیل مروت سے ہے۔ البتہ ان کے ایک مورث اعلیٰ کا نام خٹک تھا اسی سبب سے یہ غلط

فہمی پیدا ہو گئی۔ جیسے بنوں میں دلاسہ خان کی قومیت کے بارے میں بھی ہے۔ کیونکہ ان کے والد کا نام خٹک تھا۔ وہ قبیلہ کے لحاظ سے خٹک نہ تھا۔

فرقہ منگو خیل

بعغ لوگ اسے نیازی سمجھتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ اصل میں یہ شاخ دگڑ خیل سبی زئی موسیٰ خیل مروت سے ہے۔

شاخ خان خیل

ایک روایت کے مطابق مسمی خان اپنی ماں بیوہ کے ساتھ خیسور سے آکر دولت خوازی میں آباد ہوا اور اس قبیلہ کے ساتھ خلط ملط ہوا۔ نفع و نقصان مشترکہ کے باعث حصہ پایا۔

قبیلہ گورکہ

شیخ محمد روحانی کی اولاد ہے۔ جو سید ہیں۔ لوگوں میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں۔

قوم مچن خیل

اولاد خاکو شاخ نیازی سے ہے۔ اپنی پارسائی کی وجہ سے نیک نام ہیں۔ ان کا مورث شیخ مچن تھا۔ پاکیزہ سیرت کی وجہ سے صاحب تکریم ہوا۔ مچن بابا مشہور ہوا، ان کی زیارت وانا جنوبی وزیرستان میں ہے۔ جب قبیلہ مروت نے دیگر نیازیوں کو علاقہ مروت سے بے دخل کر دیا۔ تو مچن کی اولاد سے تعرض نہ کیا۔ کیونکہ یہ فقیر طبع لوگ تھے۔ اس قوم کے افراد بنوں میں مختلف مقامات پر آباد ہیں۔ مگر منجا خیل، مچن خیل وغیرہ میں خاص آبادیاں ہیں۔

نسل دولت شاہ معروف ابا شہید

پانچ فرقوں پر مشتمل ہیں۔ یہ سید ہیں۔ ابا شہید کا مقبرہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے۔ قوم سوری، دلو خیل، زیڑان، ابا خیل، وش خیل۔ ان سیدوں نے اپنے مورث اعلیٰ ابا شہید اور نفع ونقصان میں شامل ہونے کے باعث قوم مروت اولاد سندر سے حصہ پایا۔ اسی الحاق کے سبب سے اولاد سندر جو خدو خیل اور اچو خیل ہیں۔ ان کے ساتھ مل کر دریء پلار کہلانے لگے ہیں۔ یعنی خدو خیل، اچو خیل اور اب دولت شاہ ان تینوں کو دریء پلار کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے فرقہ دولت شاہ کو بھی مروت سمجھا جانے لگا ہے۔ کیونکہ پوشاک، خوراک، بودوباش، راہ رسم ایک جیسی ہیں۔ اولاد دولت شاہ بھی خود کو مروت پکارتے تھے۔

شاخ ہائے دیگر

فرقہ کنڈی، پائی، حیدراں سب نیازی ہیں۔ حادثات زمانہ کے باعث دیگر نیازی یہاں رہ گئے۔ سوائے قبیلہ کنڈی کے باقی دو فرقہ کے لوگ بہت کم ہیں۔ کنڈی قبیلہ ڈیرہ اسماعیل خان کے حدود میں آباد ہیں۔

مروتوں کی طرز اور صنع، معاشرت

ماضی میں معاشرتی زندگی میں نظم وضبط لانے کی غرض ہر قوم قبیلہ میں ایک مشر/معتبر یا ملک ہوا کرتا تھا۔ یہ قبائلی معاشرتی زندگی کا خاصا تھا اور ہے۔ یہ نظام وقت کی ضرورت کے پیش نظر خود ساختہ تھا۔ بیرونی اور اندرونی خلفشاء کو قابو میں کرنے کے لئے متعلقہ برادری کے بالغ افراد ملک کے پاس مشورہ کے لئے جمع ہو جاتے اس مشورہ کو جرگہ کہا جاتا تھا۔ ان ملکوں میں ایک مہاملک ہوا کرتا تھا۔ یعنی ملک کلاں۔ ماضی میں مروت قوم کو خلجی قبیلے سے نبرد آزما ہونا پڑتا تھا۔ اور اکثر وبیشتر جرگہ اور مشورہ کو بلایا جاتا تھا۔ مروت قوم اتحاد اور اتفاق سے عبارت تھی۔ اور ہے۔ اسی اتحاد باہمی کے باعث مروت قوم اپنی فتوحات کی سرحدیں ٹانک تک پھیلا چکے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مروت قوم میں بے اتفاقی، عناد اور نفرت نے لے لی۔ جس کے باعث ایک قوم کے اندر دو گوندوں کا در آنا یا پیدا ہونا ہوا۔ مروت قوم جیسے دیگر پڑوس افغانوں

میں ہوا۔ دو گروپ گروہ یا گوند میں تقسیم ہو گئی۔ اور ہر گروپ یا گروہ کا ملک کلاں ہونے لگا۔ گویا ایک ہی علاقے میں بیک وقت دو سردار یا کہوں دو بادشاہ وجود میں آئے۔ یعنی ایک نیام میں دو تلواروں کو سمانا ناممکن اور مشکل امر ہوتا ہے۔ اسطرح مروت قوم یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ مشت باگریباں ہونے لگے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوتے تھے۔ اتحاد باہمی کی جگہ نفرت اور بداعتمادی نے لے لی۔ ایک گروہ کو سپین گوند یعنی سفید گروہ دوسرے کو تور گوند یا سیاہ گروہ کہنے لگے۔ اگرچہ بویان میں یہ اخلاقی مرض دم توڑ چکا ہے۔ مگر مروت اور وزیروں میں یہ عصبی بیماری اب بھی عروج پر ہے۔

1860ء کے عشرے میں عبدالصمد خان بیگو خیل کا بیٹا میر خان سپین گوند اور ارسلا خان عیسک خیل تور گوند کے سردار تھے۔ آج بھی عیسک خیل کا ملک کلاں اسلم خان عیسک خیل سیاہ پگڑی استعمال کرتا ہے۔ جبکہ مشعل خان اور امان اللہ خان برادران بیگو خیل جو چند سال ہوئے وفات پا چکے ہیں، جو اپنی کج کلاہی کے لئے مشہور تھے۔ سفید ململ کی پگڑی استعمال کرتے تھے۔ اسطرح اپنی سواری کے لئے گھوڑوں کا رنگ بھی سفید یا سیاہ کو ترجیح دیتے تھے۔ دوستی اور دشمنی کا معیار بھی گوند ہی ہوتا تھا۔ اسطرح رشتے اور ناطے بھی اپنے ہی گوند میں کرتے، اور کراتے۔

وجہ گروہ بندی

مروتوں میں دو گوندوں کی عصبی بیماری تقریباً آج سے 230 سال قبل کی پیداوار ہے۔ جو تیمور شاہ سدوزئی کے بعد شروع ہوئی۔ اور آج بھی موجود ہے۔ ماضی میں ہر دو گوند ایک دوسرے کا استحصال کرنے اور کمزور بنانے کے لئے ایک دوسرے پر لڑائی مسلط کرتے رہے۔ جیسے سالار خان اور میانداد خان جو صاحب شجاعت اور وجاہت تھا، شہ نکی کی دہڑتھ حاصل کرنے کی غرض سے سکندر خان پر چڑھائی کی۔

صدر خان عیسک خیل اور سکندر خیل نے سالار کا مقابلہ کیا۔ موضع دلو خیل کے قریب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں سالار خان دعویدار ملکی، عظمت خان و گنی خان برادران معہ 50 افراد کے قتل ہوئے۔ گلرنگ خان ولد سلیم خان میانداد خان سلار کی جگہ ملک ہوئے۔ یہ

شخص بڑا دلاور اور نام آور تھا۔ کرک اور لتمبر میں خٹکوں کے خلاف لڑا تھا۔ اور نام پایا تھا۔ گلرنگ خان کے اپنے برادری کے ایک شخص گلاں خان تتر خیل جو تپہ طوطی خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنے رقیب اور حریف جان کر قتل کر دیا۔ بہانہ وہی تھا۔ جو اکثر وبیشتر چڑھائی اور وار کرنے کے لئے تراشا جاتا ہے۔ جیسے امریکہ نے حال ہی میں عراق کے ساتھ کیا۔

؎ وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا

وہ بات اُنہیں بہت ناگوار گزری ہے۔

گلاں خان پر الزام عائد کیا گیا۔ کہ خٹکوں کے خلاف مہم میں اس نے سستی دکھائی تھی۔ اسے ناحق قتل کیا گیا۔ جس پر المر خان عیسک خیل قصاص کے لئے گلرنگ پر چڑھائی کی۔ عبدالصمد خان بیگو خیل گلرنگ خان کا معاون بنا۔ اس دن سے مروت قوم دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور خانہ جنگی اور عناد باہمی کے لئے راستہ کھل گیا۔ جس کے بھینٹ بڑے بڑے ملک کلاں چڑھ گئے۔ اور دونوں طرف سے مالی و جانی نقصان ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ خون آشام دیر تک اور دور تک پھیلتا اور چلتا رہا۔ آبی زر گروپ اور نواز گروپ کی باہمی جنگ و جدل میں مصروف رہے تھے۔ باہمی جبر، جہل اور منافرت کا مظاہرہ آج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ آج بھی غمی، شادی، سیاست پر گروہ بندی کا سایہ منڈلاتا نظر آتا ہے۔ 1864ء تک سپین گوند کا سردار عبدالصمد خان بیگو خیل اور تور گوند کا یعنی سیاہ گوند کا سردار ارسلا خان عیسک خیل تھا۔ اسوقت اسلم خان عیسک خیل تور گوند کا اور بیگو خیل میں مثل خان اور امان اللہ جان کے بعد دل جان سفید گوند ہیں۔ لکی مروت کی قیادت نے سیف اللہ برادران غزنی خیل جو بنیادی طور پر سیاہ گوند کے رہبر مانے جاتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ مروت قوم سے گوندوں کی نسبی اور عصبی مرض نیست و نابود ہو جائے۔ اگر یہ برادران اس مہم میں کامیاب ہو جائے۔ تو یہ ان کا تاریخ ساز کارنامہ تصور کیا جائے گا۔

مروتوں کا حال دشمنی و دوستی ہمراہ اقوام دیگر

مروت چاروں طرف سے مخالفین کے نرغے میں رہے ہیں۔ مگر اپنی جنگجویانہ خوبیوں اور کردار کی پختگی اور مثالی اتحاد کے باعث ہر محاذ پر دشمن کو ناکامی سے دوچار کیا اور اپنی فتوحات کا دائرہ ملک ٹانک کے حدود تک پھیلانے اور بڑھانے میں کامیاب رہے۔

مروت کی دوستی اور دشمنی میں منافقت اور میل نہیں پائی جاتی۔ وہ مرد میدان، شمشیرزن اور بہادر قوم کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ مرد غنیم پر غالب ہو کر اخلاقی پستی نہیں دکھاتے۔ بچوں اور خواتین کا قتل کرنا مکروہ اور معیوب فعل گردانتے ہیں۔ یہ صفت دیگر افغانون میں مروت ہی کا خاصا ہے۔

ماضی بعید میں سلیمان خلجیوں کے ساتھ مروتوں کی قدیم دشمنی آرہی ہے۔ بعد میں قوم مسعود کے ساتھ دشمنی پیدا ہو گئی۔ قوم دولت خیل شاخ لوہانی کے ساتھ مبارزات ہوئے۔ کشت خون ہوا شاخ کٹی خیل کے ساتھ بھی ناراضگی تھی۔ بعد میں صفائی ہو گئی کہ نواب شاہنواز خان رئیس ٹانک مروتوں کی رقابت سے فائدہ اُٹھا کر کبھی ایک گوند کو اور کبھی دوسرے گوند کے ساتھ رہے۔ قوم گنڈہ پور کے ساتھ بھی مروت مسلسل کشمکش میں رہے۔ اور ٹکواڑہ میں سخت لڑائی ہوئی فرقہ عیسیٰ سے نبرد آزما رہے۔ ایک لڑائی میں بیگو خیل مشہور ملک دریئی پلار مارا گیا۔ قوم خٹک نصرتی گوڈی خیل کے ساتھ تھل علاقہ کے حصول پر کشت و خون ہوا۔ اور کرک کے مقام پر جنگ ہوئی۔ جس میں مروت پس پا ہوئے مگر بعد میں ملک گل رنگ خان کی سرکردگی میں موضع لتمبر پر حملہ کیا اور لتمبر کو خاکستر کر دیا۔ خٹکوں کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ قوم ہویان کے ساتھ بھی علاقہ نار پر تنازعہ تھا۔ مگر کشیدگی خفیف رہی۔ قوم وزیری اتمان زئی فرقہ بکا خیل اور جانی خیل سے خوب لڑائی ہوئی۔ گلرنگ کا ساتھ ملک بازید خان نے دیا اسطرح وزیروں کو شکست ہوئی۔ بعد میں ملک سوہان خان احمد زئی نے مروت قوم کی باہمی بے اتفاقی سے فائدہ اُٹھا کر مخالف تور گوند گنڈی مروت، جندر خان آدم زئی اور ارسلا خان غزنی خل تور گوندیون کو شامل کر کے لکی مروت کے مقام پر دریئی پلارہ مروت جو سپین گوندی تھے۔ حملہ کیا۔ دوسری

جانب عبدالصمد خان بیگو خیل دیوانہ خان سکندر خیل جو پین گوندی تھی۔ مردانہ وار اور بے جگری سے مقابلہ کیا۔ وزیروں کو شکست ہوئی۔

وضع اور طینت

مروت قوی ہیکل، توانا اور تندرست قوم ہیں لمبا قد و قامت، فراخ کشادہ پیشانی بیضوی چہرہ گلابی اور عنابی رخسار، بادامی آنکھیں، ستوان ناک رکھتے ہیں۔ معاملات اور معمولات میں درست صاف گو، صاف دل مخلوق ہیں۔ منافقت اور دروغ گوئی سے نفرت کرتے ہیں۔ پاک طینت، نیک سرشت رکھتے ہیں۔ البتہ گوندیداری نے ان کے دامن کو داغ دار کر دیا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ قوم جفاکش اور متحمل مزاج ہیں۔

پیشہ

ماضی میں سوداگری اور تجارت کرتے تھے۔ اسوقت کا شتکاری خاص شغف تھا۔ مردانہ کھیلوں میں اینڈا قومی کھیل ہے۔ اکثر زمین بارانی اور ریتلی ہے۔

مویشی

خاص پیشہ شتربانی ہے، چراگاہیں دامن کوہ میں پائی جاتی ہیں۔ اس پر سواری میں دلچسپی کم لیتے ہیں۔

آب نوشی

علاقہ مروت میں پانی کی بہت قلت ہے۔ بارش ہو تو تالابوں اور جوہڑوں میں پانی جمع کیا جاتا ہے۔ آس پاس کے ماحول کو اس غرض سے صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ تو بھی پانی مضر صحت ہوتا ہے۔ رنگ و بو بدلا ہوا ہوتا ہے۔ پانی سے بہت ساری پیٹ کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ البتہ دریائے گمبیلہ کے آس پاس دیہات خوش نصیب ہیں، جنہیں دریائے گمبیلہ کا صحت مند پانی دستیاب ہے۔ ان کی صحت بھی مقابلتاً اچھی رہتی ہے۔ بعض دور دراز آبادیوں میں جوہڑ کا پانی حیوان اور انسان دونوں یکساں ایک ہی گھاٹ سے پیتے ہیں ماضی میں دوران خشک سالی پیشاب ملا پانی پینے کو ملتا تھا۔

اگر خشک سالی دیر تک رہتی تو آبادی نقل مکانی کیا کرتے تھے۔اب صورت حال بدل چکی ہے۔ ٹیوب ویلوں کی تنصیب سے دور دراز علاقوں تک پانی پہنچایا جانے لگا ہے۔ تو بھی کہا جاتا ہے کہ مروت پانی کی ایک ایک بوند کو آب حیات بلکہ آب چشم سمجھتے ہیں۔ جسے مے خود کشید کا درجہ دیا جاتا ہے۔

؎ان تلخ آنسوؤں کو نہ یوں منہ بنا کے پی
یہ مے ہے خود کشید اسے مسکرا کے پی

ماضی میں مروت تلخ آنسوؤں کے طور پر پانی کے ایک ایک قطرے کو ترستے رہتے تھے۔اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے گھر میں گدھا یا اونٹ رکھا جاتا تھا۔گاؤں کے خواتین کو قافلہ کی صورت میں دس یا بارہ میل سے دور پانی کو ڈھونا پڑتا تھا۔بعض اوقات وضو کے لئے پانی نہ ملتا تو تیمّم سے ضرورت پورا کیا جاتا تھا۔ کپڑوں کا دھونا یا نہانا تو دور کی بات تھی۔ گویا مروت ان تلخ آنسوؤں کو پینے پر مجبور تھے۔

احوال خاندان بیگو خیل

شجرہ نسب کرسی نامہ

ضمیر خان، مدت خان برادران پسران اعظم خان

نمیر خان، مظفر خان، سر کمند، ابو سمند یا عبد الصمد، امیر خان برادران پسران نواز خان از زوجہ اول

پردل خان پسر نواز خان از زوجہ دوئم

ارسلا خان، پہلوان، حذر خان، سردار برادران پسران نواز خان زوجہ سوئم

زبردست پسر قمر دین پسر قتال خان پسر بیگو خان

زید خان، نواز خان، دلاسہ خان برادران پسران بیگو خان اور پائندہ برادران پسران بازید خان پسر بیگو خان

جبار، قمر دین شہادت، شمس الدین برادران پسران قتال پسر بیگو خان

امر دین، شیر ال وغیرہ برادران پسران دولہ خان پسر بیگو خان

تفصیل

داوی خان بیگو خان سے اوپر پانچویں پشت پر تھا اس خاندان کا جد امجد ہے یہ خاندان قوم مروت لوہانی شاخ اچو خیل سے ہے جب بادشاہ اکبر اعظم نے موجودہ علاقہ موسوم مروت فتح کیا۔ اس وقت داوی خان اپنے شاخ کا سردار تھا۔ داوی خان کی چوتھی پشت میں بائی خان مشہور ملک گزرا ہے۔ جس نے قوم گنڈہ پور کے ساتھ بمقام ٹکواڑہ لڑائی کی تھی۔ اس کا بیٹا بیگو خان ملک بنا بیگو خان بڑا دلاور شخص تھا۔ اس نے مدد خان درانی کے روبروہوں کا علاقہ نار میں ایک شیر کو تلوار سے قتل کیا۔ اس بہادری کے عوض مدد خان نے خلعت فاخرہ کے ساتھ موضع کلور بھی جاگیر میں دیدی۔ مگر بہت جلد پٹیالہ کے مقام پر عیسیٰ خان شاخ کے ممون خیل کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس طرح موضع کلور بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب اس کا بیٹا نواز خان ملک بنا۔

اس شخص نے اپنی بہادری اور جرات کے باعث بڑا نام پیدا کیا۔ اور کل مروت کے نصف گوند کا سردار بنا۔ یعنی سفید گوند جسے عرف عام میں سپین گوند کہا جاتا ہے۔

نواز خان بیگو خیل نے کرک کے مقام پر شیر باز خان خٹک پسر خوشحال خان کا مقابلہ کیا۔ مزید سلطان خیلوں سے جنگ ہوئی۔ جس میں نواز خان شدید زخمی ہوا۔

آلی زر عیسک خیل ان کا حریف اور مد مقابل تھا یہ شخص تور گوند یعنی سیاہ گوند کا سردار تھا۔ دونوں میں کئی مبارزے ہوئے۔ اور حریفانہ چشمک رہی۔ ایک دفعہ دلو خیل کے مقام پر ان دونوں میں خوب مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں قتال خان جو نواز خان کا بھائی تھا۔ مارا گیا۔ ساتھ دوسرا بھائی قمر دین بھی قتل ہوا۔ نواز خان خود بھی شدید زخمی ہوئے۔ اور پسپائی پر مجبور ہوئے۔ نواب شیر محمد خان ڈیرہ وال سے مدد کی درخواست کی۔ نواب کی کمک کے ساتھ آلی زر عیسک خیل، محبت خان، تتر خیل کی مشترکہ لشکر کے خلاف بمقام کس نصروال دثوروا صف آراء مقبلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی اور فتح پائی جس کی پاداش میں نواب نے سارے علاقے پر قبضہ کیا۔ اور مروت قوم کی آزادی سلب کرلی گئی یہ اس قوم کی بے اتفاقی اور خانہ جنگی کا نتیجہ اور سزا تھی۔ مروت قوم نے اپنی

آزادی کو بحال اور برقرار رکھنے کے لئے قوم وزیری احمد زئی اور اتمان زئی کا بھی مقابلہ کیا۔اس طرح ایک دفعہ لڑائی میں جس کا سوہان خان نے قیادت کی تھی۔ عبدالصمد پسر نواز خان زخمی ہوا۔ تو بھی وزیروں کو ہزیمت ہوئی۔

مروت قوم پر بہادر شاہ پسر اورنگ زیب بادشاہ نے دو سو چالیس شتر برائے بار برادری قلنگ مقرر کیا تھا۔اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے بجائے مشتر کہ 240 سوار برائے خدمات شاہیہ طلب کیا۔ یہ 240 سوار شاہی نوکر سمجھے جاتے تھے۔اور مروت قوم ہر شاخ سے نوکر/سوار فراہم کرتا۔

جن کے بدلے میں مروت قوم پر قلنگ یامال گزاری معاف تھی۔البتہ تیمور شاہ سدوزئی نے مروت قوم پر بارہ ہزار پہلی دفعہ نقد قلنگ مقرر کیا۔ تو بیگو خیل کو اس کا بارھواں حصہ انعام ملنے لگا۔جب نواب ڈیرہ کی طرف سے مانک رائے سردار بنا۔ تو اس نے 40 ہزار مالگذاری سالانہ طلب کیا۔ جسمیں بیگو خیل کو ایک ہزار دو سو بیس روپے سالانہ ملنے لگا۔اس کے عوض وہ اس کے فراہم کردہ سواروں کے بدلے کچھ عوض نامہ بھی ملتا تھا۔

سکھوں کے عہد میں بیگو خان جنس کی صورت میں بھی مالی مدد ملتی رہی۔بصورت برخاستگی سواران بیگو خان کو 500 روپے سالانہ مقرر تھا۔

تپہ دریئی پلار یسے بھی قلنگ کا حصہ ملتا تھا۔ تاج برطانیہ نے 1858ء میں عبدالصمد پسر نواز خان بیگو خیل کے لئے جاگیر بصورت انعام سالانہ بشکل برات مالیہ عطا کردی۔اس کے علاوہ اپناز میندرہ اور ملکیت بھی رکھتا تھا۔ گویا تپہ دریئی پلارہ کے لئے یہ رعایت مزید ہے۔

1848ء ملتان کے شورش میں مرزا خان پسر عبدالصمد نے سکھوں کے خلاف انگریزوں کی عملی مدد کی۔اور چند سواروں کو بھی بھیجا تھا۔

عبدالصمد 14 جولائی 1864ء میں وفات پائی۔اس کا بیٹا خان میر خان ملک مہا ملک بنا۔خاندان بیگو خیل مروت قوم کے نصف حصہ یعنی سفید گوند کو پیشوا مانا جاتا ہے۔ مشعل خان ،امان اللہ خان باعث التفات تھے۔حال ہی میں وفات ہوا۔اسووقت اس خاندان کا چشم چراغ دل جان خان بقید حیات ہے۔جو سابق آئی جی پولیس ہے۔

خاندان مینا خیل

نور خان ولد حیدر خان والد سرفراز خان والد دیوانہ خان والد حکیم خان ڈاکٹر محمد سلیم، محمد ارشد سلیم

برادران و پسران محمد سلیم خان پسر محمد عظیم خان

محمد عظیم خان، خان حبیب اللہ خان برادران و پسران خان صاحب، محمد آیاز خان محمد سلمان سلیم

پسر محمد طارق سلیم

تفصیل احوال

نور خان مینا خیل اس خاندان کا جد امجد ہے۔اس کا باپ تاجا ملک ہم قوم مروت کے ساتھ اس علاقے میں آیا۔شاخ مینا خیل میں یہ خاندان معتبر گنا جاتا ہے۔ تیمور شاہ سدوزئی کے عہد میں سرفراز خان معتبر ملک مانا جاتا تھا۔وہ سرور خان رئیس ٹانک کی لڑائی میں مارا گیا۔اس کا بیٹا دیوانہ خان ملک ہوا نواب ڈیرہ اور سکھوں کی عملداری میں بڑا رسوخ کا مالک تھا۔قصبہ لکی اس کے قبضے میں تھا۔جو اس کے لئے آمدنی کا ذریعہ تھا۔اس کے بعد حکیم خان کو اختیار منتقل ہوا۔ حکیم خان نے سکھوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کی۔اور انگریز کمشنر نے ان کی خوب پزیرائی کی۔اور خاصی پنشن مقرر کر دی۔

یہ خاندان بڑا مردم خیز ہے۔اسمیں انجنیئر ،ڈاکٹر ،اعلیٰ سول بیوروکریٹ پائے جاتے ہیں۔محمد سلیم خان اور اختر منیر شاہ سینئر بیوروکریٹ ہیں جبکہ سردار حبیب اللہ خان عدالت عدلیہ کے جج پھر وزیر داخلہ اور سینٹ کے چیرمین تھے۔وہ دل کے عارضہ کے باعث فوت ہوئے۔ ممتاز قانون دان اور بااصول شخصیت کے مالک تھے۔ان کا فرزند ارجمند انور کمال خان منجھے ہوئے سیاست دان ہیں ماہر قانون دان ہیں۔اور اچھے پارلیمنٹرین ہیں۔

خاندان غزنی خیل

تپہ طوطی زئی میں محبت خان غزنی خیل ایک بہادر ملک گزرا ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا پردل خان ملک بنا۔ اس کا ایک رقیب محمد خان پسر پیر محمد خان بھی ملک ہے۔ 1848ء سکھوں کی دوسری لڑائی میں انگریزوں کا ساتھ دے کر اپنا مقام بنالیا۔ اکرم خان غزنی خیل نے دولت اور شہرت پیدا کر دی۔ بیرسٹر سیف اللہ خان نے نام پیدا کیا۔ جبکہ ان کے پسران ہمایون خان، سلیم خان، اور انور خان جنہیں سیف اللہ برادران کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ نام اور مقام پیدا کیا۔ یہ تینوں اتحاد ثلاثہ کی عمدہ مثال پیدا کرتے ہیں۔ اور آسمان سیاست کے درخشندہ ستارے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا آفتاب سیاست غروب سے آشنا نہیں ہوتا۔

مجید خان اور طاہر مجید خان مائل باکاروبار ہیں۔ اور مضبوط مالی حیثیت رکھتے ہین۔ جبکہ سیف اللہ برادران مائل باسیاست ہیں۔ اور کامیاب صنعت کار ہین۔ آج کل مروت کی بازار سیاست پر غالب آنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ مگر انور کمال خان ان کے راستے میں سدِ سکندری بننے کی جد جہد کر رہے ہیں۔

خاندان میانداد خیل یا میداد خیل

یہ خاندان ماضی شاندار کا مالک ہے۔ یہ خاندان خواص خیل مروت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان نے مشاہیر ازم بزم پیدا کیے ہیں۔ موروثی خان تھے۔ اعزاز خان اور میانداد خان نے بڑا نام پیدا کیا۔ ملک گلرنگ خان نے بڑی شہرت پائی۔ تپہ عمر خیل میں لنگر خان پھر الفا کا بیٹا ولی خان، صاحب داد خان ولد نواز خان قابل التفات شخصیت ہیں۔ اور صاحب توقیر و جاگیر تھے۔ عبد الرحیم مجذوب ایڈوکیٹ عالمی شہرت کا ادیب، شاعر، محقق اور نقاد بقید حیات ہے۔ اس خاندان نے رزم وبزم کے شہسوار پیدا کیے۔ جو شہرت عام اور بقائے دوام رکھتے ہیں۔ سردار خان ائیر وائس مارشل ریٹائرڈ ہوئے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد سماجی کاموں میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ آج کل انجنیرنگ یونیورسٹی میں بطور وائس چانسلر اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ بڑے فعال نیک کردار مخلص شخص ہے۔ انور خان ایڈوکیٹ پرکشش شخصیت رکھتے ہیں۔ نصیر محمد خان

پرجوش اور پرکشش سیاسی کارکن ہیں۔وہ صوبائی اسمبلی کے رکن بھی منتخب ہوئے تھے۔سیف اللہ برادران سے سیاسی رقابت رکھتے ہیں۔دونوں حریفوں میں سیاسی مسابقت جاری وساری رہتی ہے فی الحال سیف اللہ برادران کا ستارہ عروج پر ہے۔ سلیم سیف اللہ حکومتی مسلم لیگ ق یعنی کنگ لیگ کے جنرل سیکرٹری ہیں۔جمالی اور مشرف حکومت میں رسوخیت رکھتے ہیں۔جبکہ ہمایون سیف اللہ ضلع لکی کا ناظم ہے۔کہا جاتا ہے کہ سیف اللہ برادران پر ظلِ ہما رہتا ہے۔اس لئے ناکامی سے بھی کام لینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔وہ حال ہی میں سیاسی منجدھار سے اور احتساب سے سرخرو نکلے ہیں اور اب کامیاب ہیں۔

کچھ سوان خان وزیر کے بارے میں

حوالہ اقتباس "فرنگی راج اور غیرت مند مسلمان"

ڈاکٹر محمد نواز خان محسود رقم طراز ہیں۔(صفحہ 117)سوان خان نے انگریز کے خلاف وزیر قبیلے کی جدوجہد کی ناکامی اور وزیرستان کی سرزمین فرنگی کی گرفت میں لانے کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔جن کے صلے میں انہیں وزیر قبیلہ کے وزیر بہادر کا خطاب ملا۔ انگریزوں نے سوان خان کی مدد سے بنوں سے سات میل دور گمتی کے مقام پر فوجی کیمپ لگوانے میں کامیاب ہو گئے۔

سوان نے انگریزوں کی دوستی سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ایڈورڈز اور اس کے بعد نکلسن کے زمانے میں بنوں کی زمین کا بندوبست کے موقع پر سوان خان کو ہزاروں کنال زمین الاٹ کی گئی۔ نکلسن نے عظیم خان وزیر جس کے نام پر عظیم کلی آباد ہے۔کو کرم کے پار ہزاروں کنال زمین الاٹ کی۔اسطرح وزیر قبیلے کے دیگر سرکردہ رہنماؤں کو بھی بنوں کے اردگرد زمین الاٹ کی گئی۔گو کہ انگریز بار بار یہ باور کرتے رہے کہ وہ قبائلی علاقوں پر نہ تو دعویٰ کرتے ہیں۔اور نہ ان کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔وہ اگر چاہیں تو کابل سے مل سکتے ہیں۔اور اگر چاہیں تو آزاد رہ سکتے ہیں۔مگر یہ ان کے دکھانے کے دانت تھے کھانے کے دانت اور تھے۔

ڈاکٹر پینل اور ایف آر بنوں

ڈاکٹر پینل ایک عیسائی مبلغ تھا، 1898ء میں بنوں آئے۔ اسے مرکز تبلیغ بنایا۔ ایف آر بنوں میں تقریباً دو عشرے تک رہے۔ علاج معالجے کے بہانے دورے کرتے رہے۔ ان کے چوک حجرہ اور مسجد میں قیام کرتے رہے۔ پوشاک وزیر کا پہنتے۔ وہ ہو بہو ملا اور وزیر دکھائی دیتے تھے۔ وزیروں کے ساتھ خورد نوش میں شریک ہوتے۔ ان کے محفلوں میں شرکت کرتے۔ گھروں میں جاتے۔ بیمار کی سیوا کرتے۔ بنوں میں ایک مشن ہسپتال و سکول قائم کیا۔ جہاں ان افراد کو جو بیمار پڑتے، مفت داخلہ اور مفت علاج کیا جاتا۔ ساتھ ساتھ کار تبلیغ بھی ہو جاتا۔ وہ وزیروں کے بہت قریب رہے۔ ان کا رسم و رواج ریت و روایات، عادات و اخلاق، افتاد طبع، روزوشب کے معمولات سے خوب آگاہی حاصل کر لی تھی۔ ڈاکٹر پینل کا مشاہدہ بڑا وسیع اور گہرا تھا۔ انہوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کو قلم بند کیا۔ اور انہیں "امنگ دی وائلڈ ٹرائبز آف دی افغان فرنٹیر" نام دیا۔ اس کتاب سے راقم الحروف نے استفادہ کر کے چیدہ چیدہ اقتسابات کو اپنی کتاب بَن باس کی زینت بنا دیا۔

وزیر اور بنوں

وزیر وقتاً فوقتاً بنوں پر یلغار کرتے رہے۔ شروع میں وزیروں نے بنوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ مگر وادی بنوں کی زرخیزی سے آگاہی پانے کے بعد ان کی نیت بدل گئی۔ اور بنوں کو فتح کرنے کی ٹھہری۔ مگر بنوں وال زبردست دفاعی قوت کے مالک تھے۔ وزیر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ مغرب کی طرف سے وزیروں نے کل چار بار بنوں پر یلغار کر دی اور ہر بار ناکام رہے۔ البتہ بنوں کے مضافات پر قابض ہونے میں کامیاب ہوئے۔ ویسے بھی بنوں خاص بنویان کی کفالت کے لئے کافی تھا۔ اور وہ سرحدی علاقوں سے سروکار اور تعرض نہیں رکھتے تھے۔ بنوں خاص میں بھی اکثر اراضی قابل کاشت ہونے کے باوجود غیر آباد رہتی تھی۔

وزیر دو شاخوں میں تقسیم ہیں۔

۱) احمد زئی وزیر ۲) اتمان زئی وزیر

احمد زئی وزیر عرصہ قدیم سے تھل کوہستان اور کوہ گبر کے درمیانی علاقہ میں رہے ہیں۔ اس قبیلے کے بعض افراد گاہے بگاہے میدانی علاقے میں موسم سرما میں اتر جاتے۔ اور دروں میں مقیم ہوتے۔ ان کی موجودگی امن کے لئے خطرہ ہوتا۔ پھر وقت آیا کہ وہ ہر سال باقاعدگی کے ساتھ آتے رہے۔ یہ سلسلہ غالباً 1750ء سے شروع ہوا۔

قبیلہ جانی خیل اور بکا خیل کا تعلق اتمان زئی وزیر سے ہے۔ جو مری کے اس علاقے پر قابض ہوئے۔ جو غیر آباد تھی۔ اور جنہیں چراگاہ کے طور پر تصرف میں لایا جاتا تھا۔ یہ علاقہ دریائے گمبیلا اور پہاڑوں کے بیچ واقع ہے۔ یہ 1775ء کا زمانہ ہے۔ محمد خیل قبیلہ احمد زئی وزیر سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قبیلہ نے درہ کرم کے پتھریلی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بعد میں دیگر احمد زئی وزیر نے بھی آہستہ آہستہ دریائے کرم کے بائیں جانب تھل کا پورا علاقہ اپنے تصرف میں لایا۔ یہ علاقہ مروت، خٹک اور بنویان سے بزور ہتھیار لیا گیا۔

جب سکھوں نے بنوں پر قبضہ کر لیا۔ یا قبضہ دلایا گیا۔ کیونکہ شاہ شجاع والئے کابل نے برضائے خود بنوں کو رنجیت سنگھ کے حوالہ کیا۔ کیونکہ کابل کے حکمرانوں کو بنوں سے لگان وصول کرنے میں دشواری اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بنویان سکھوں سے نبرد آزما ہوئے۔ اسی دوران وزیروں نے لکی پر حملہ کیا۔ مگر مروتوں نے انہیں شکست دے دی۔ اور لتمبر تک وزیروں کو دھکیل دیا۔ اس کے بعد وزیروں نے اپنی توجہ دریائے کرم کے بائیں کنارے تک محدود کر دی۔ اور مقبوضہ علاقے کو وسعت دے دی۔ یعنی شمال مشرق کی طرف بڑے۔ اور قبیلہ خٹک سے کچھ علاقہ چھین لیا۔ بنویان محفوظ علاقوں میں تھے۔ مگر ان کی مضافاتی اراضیات یعنی جنڈو خیل، داؤد شاہ، سورانی ان کی دسترس میں تھیں کشمکش بسیار کے بعد حالات سے مجبور ہو کر وزیروں نے سمجھوتہ کر لیا۔ جنگ بے فائدہ سمجھا۔ گفت و شنید ہوئی۔ اور ایک بار پھر امن قائم ہوا۔ بنویان پر یہ دور بڑا گراں گزرا۔ ایک طرف وزیر دوسری طرف سکھ سے نبرد آزما ہوتے تھے۔ وزیروں کو آباد زمینیں درکار تھیں۔ جبکہ سکھ وفا شعاری چاہتے تھے۔ یعنی بنوں والوں کو غلامی سے دوچار کرنا چاہتے تھے۔ بقول ایک انگریز سیاح Masson جو بنوں آئے تھے۔ بنوں اور وزیر قبائل اچھے ہمسائیگی کے طور پر امن سے رہتے تھے۔ یہ 7-1826ء کے زمانے کی بات ہے۔

وزیروں کا خاصہ (امتیازی خصوصیات)

بقول ڈاکٹر پینل

وزیر من حیث القوم عجوبہ افرینش مخلوق ہے۔ بالفاظ دیگر مجموعہ اضداد، غیر معمولی خوبیوں اور خامیوں کا حامل اور مرقع وزیر پر اسرار اور پہلو دار قوم ہے۔ وزیر پیدائشی جنگجو ہوتا ہے۔ اور اچھا نشانہ باز بھی۔

وزیر پل میں ماشہ اور پل میں تولہ ہوتا ہے۔ وزیر خود سر اور بد ظن خاوند ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ نہایت شفیق باپ بھی ہے۔ وہ بہترین حلیف ہوتا ہے۔ اور بدترین اور بہت خطرناک حریف بھی۔ وزیر بے عدیل مہمان نواز اور بے دلیل، بے رحم سنگدل دشمن بھی ہے۔ اگر ایک کسی کا دشمن ہو جائے۔ تو دشمنی نبھانے میں بڑا ماہر اور قاہر ثابت ہوتا ہے۔ دشمنی اس کے نزدیک ایک نا قابل معافی اور نا قابل فراموش ہوتی ہے۔ قتل خواہ کسی بھی صورت اور حالات کا نتیجہ خواہ وہ قتل عمد ہو یا قتل خطا۔ یہ جرم نا قابل سمجھا جاتا ہوتا ہے۔ قتل کا اگر کوئی علاج یا صورت ہے۔ وہ قتل اور انتقام ہو سکتا ہے۔ کوئی دوسرا راستہ اور رسم نہیں ہے۔

بقول ڈاکٹر پینل۔ چوری اور سینہ زوری وزیر کا خاصا ہے۔

پیدائش کے فوراً بعد نوزائیدہ بچے کو روزن دیوار سے گزارا جاتا ہے۔ اس کلمہ کے ساتھ Be a thief،Be a thief چور ہو، چور ہو۔

ماں بیٹے کو لوری دیتی ہے۔ تو اس دعا کے ساتھ "غل شہ۔ خدائی دے مل شہ"

چور ہو۔ خدا تمہارا حامی اور ناصر ہو!۔

اکثر وزیر مردہ پرست اور وہم پرست قوم ہیں۔ ویسے تقریباً افغان معاشرہ میں مرض قدر مشترک ہے۔ مگر وزیر کی بات ہی کچھ اور ہے۔ جب وزیر ڈاکہ زنی کے خیال سے گھر سے نکلتا ہے۔ تو کسی زیارت کا طواف کر کے اس وعدہ کے ساتھ دعا مانگتا ہے۔ کہ کامیابی کی صورت میں اس زیارت کا بھی تھوڑا بہت حصہ ہو گا۔ زیارت گاہ کو محافظ خانہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جب موسم سرما میں وزیر لوگ پہاڑی مسکن سے کسی میدانی علاقے میں اُتر آتے ہیں۔ خانہ خود کا سب سامان آرائش اور رہائش کسی زیارت گاہ میں امانت رکھ چھوڑتے ہیں۔ جب

واپس آتے ہیں۔ تو بے کم و کاست ایک تنکا تک خیانت نہیں ہوا ہوتا۔ زیارت گاہ پناہ گاہ بھی ہوتا ہے۔ بے اولاد خواتین زیارت گاہ سے نرینہ اولاد کی دعا مانگتے ہیں۔ اور منت مانتے ہیں۔ وہاں درخت کے کسی شاخ کے ساتھ کوئی چھڑا وغیرہ آویزاں کرتی ہیں۔ تعویز اور گنڈے ملا کا نفع بخش کاروبار ہوتا ہے۔ کیونکہ افغان تعویز اور گنڈے پر ایمان رکھتا ہے۔ بعض مریض زیارت پر جا کر شفا بھی پاتے ہیں۔

ڈاکٹر پینل رقم طراز ہیں۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کا لکھا ہوا نسخہ بجائے اس کے کہ نسخہ کے مطابق دوائی لی جائے۔ اس نسخہ کو مروڑ یا لپیٹ کر کسی چمڑے / کپڑے میں سی کر کے گلے سے آویزاں کیا جاتا ہے۔ پوچھنے پر بتایا جاتا ہے کہ بڑا مجرب تعویز ہے۔ اس سے افاقہ ہوا ہے۔ یہ پادری صاحب کا لکھا ہوا اور دیا ہوا تعویز ہے۔ وزیر صاحب ظرف کے علاوہ صاحب ظرافت بھی ہوتا ہے۔ وزیر کی مہمان نوازی ضرب المثل، قابل تقلید اور بے عدیل ہوتی ہے۔ وزیر کتنا ہی تنگ دست کیوں نہ ہو۔ اپنے مہمان کے لئے فربہ دنبہ ذبح کرتا ہے۔ ورنہ تربوروں میں اُسے پیغور کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گویا ناک کٹ جاتی ہے۔ وزیر احساس کمتری بھی رکھتا ہے۔ اگر کسی تقریب یا ضیافت میں آئے تربور کے مقابلے میں چارپائی کے ادوائن کی طرف جگہ دے کر بٹھایا جائے تو وہ اسے اپنی توہین سمجھتا ہے۔ توہین آمیز سلوک اُس کے لئے ناقابل معافی، ناقابل فراموش واقع ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ کام نادانستہ طور پر ہی سرزد کیوں نہ ہوا ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مہمان نوازی میں بڑا تکلف دکھاتا اور برتتا ہے۔ ڈاکٹر پینل ایک بار کسی گاؤں میں دیر سے شام پہنچا۔ وہاں ایک ملک کے بیٹے نے اُسے مہمان رکھا۔ اور بہترین پلاؤ اور مرغ مسلم سے تواضع کی۔ مگر جب اس کا والد رات گئے بڑی دیر سے پہنچا۔ استفسار کرنے پر معلوم کیا کہ دنبہ ذبح نہیں کیا گیا تو بڑا جزبز ہوا۔ اسوقت ڈاکٹر صاحب استراحت کر رہا تھا۔ اور دن بھر کی مسافت اور مسافرت اور کام اور گرمی کے باعث تھکاوٹ سے چور تھا۔ اور خوب گہری نیند سو رہا تھا۔ ملک صاحب نے اُسے اپنی توہین سمجھا اور اسی نیم شبی میں بھی دنبہ کو ذبح کیا گیا۔ خوب ضیافت اور دعوت کا اہتمام کر کے دستر خوان سجا دیا گیا۔ اور ڈاکٹر کو جگا کر شریک محفل کیا۔ ڈاکٹر کو بڑی کوفت ہوئی۔ مگر کیا کیا جاتا۔

مہمان کی پذیرائی

وزیر مہمان کی حتےالقدور بہت احترام کرتا ہے۔ ایک بار وہ رات گئے کسی گاؤں میں پہنچا وہاں سب لوگ محو خواب تھے۔ ملک جاگ اُٹھا۔ اسے خوب کھلایا پلایا۔ پھر ملک نے اُسے رات گزارنے کے لئے اپنا ہی بسترہ اور چارپائی پیش کر دی یہ بھی از راہ احترام ایسا کیا گیا کیونکہ اس سے مہمان کی پذیرائی سمجھی جاتی ہے۔ بندوق، پستول، اسلحہ کا حصول وزیر کی کمزوری ہے۔ جائز اور ناجائز ہر طریقہ استعمال کرتا ہے۔ البتہ اسلحہ اعلیٰ اور غیر ملکی ہو۔ اس کے حصول کے لئے جان کی بازی تک داؤ پر لگا دیتا ہے۔ اور ہر حربہ آزماتا ہے۔ وزیر مال غیر کو مال غنیمت گردانتا ہے۔ ایک محفل میں تحصیل دار نے ایک وزیر سے پوچھا۔ ذریعہ رزق کیا ہے ؟

وزیر نے میدانی کھیتوں کی لہلہاتی فصلوں کی طرف اشارہ کر کے معصومیت کے ساتھ کہا کہ یہ سب اُسی کا ہے جب خدا نے انہیں پہاڑی بنجر زدہ اور پتھریلی علاقے میں پیدا کیا ہے۔ تو ہمارے رزق کا بھی اس میں بندوبست کیا ہے۔ کہ اس میدانی فصلوں کو تصرف میں لایا کریں۔ وزیر کے لئے چوری کرنا مرغوب اور محبوب مشغلہ ہے۔ معیوب نہیں جسمیں اظہار ہنر مندی اور جرات کی نمائش ہوتی ہے۔

اغواء برائے تاوان

کسی امیر ہندؤ کے گھر شب خون مارا جاتا ہے۔ اس کے بیٹے یا بیٹی کو اغوا کیا جاتا ہے۔ ان کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے۔ تو مغوی کی انگلی کاٹ دی جاتی ہے۔ اور یاد دہانی کے طور پر اسکے وارث کو بھجوا دی جاتی ہے۔ تو وہ غیر معمولی تیزی اور تندہی دکھا کر حسب طلب تاوان ادا کر دیتا ہے۔ مغوی کے پاؤں اور تلوے کو بھی داغا جاتا ہے۔ تاکہ وہ بھاگ جانے کے قابل نہ ہو۔ ان کے لئے اب تو مسلمان ہندوؤں کا نعم البدل بن چکا ہے۔

فرضی توہین

بعض اوقات فرضی منسوب توہین کے بدلے سنگین اقدام اُٹھانے سے بھی اسے مزید شرم اُٹھانا پڑتی ہے۔

ایک واقعہ : درویش خیل وزیر اور محسود میں جرگہ ہو رہا تھا۔ تحصیل دار بھی موجود تھا۔ باتوں میں گرمی اور تیزی پیدا ہوئی۔ کوئی وزیر ملک اپنی بات سنوانے اور منوانے کی غرض سے تحصیل دار کی طرف بڑھنے لگا تھا اس کے اردلی نے جو محسود تھا۔ ملک کو پیچھے دھکیل دیا۔ جسے وہ اپنی توہین سمجھ کر اردلی کو تھپڑ رسید کر دی۔ اب تو سب اہل جرگہ ایک دوسرے سے گھتم گھتا ہو گئے۔ محسود تعداد میں کم تھے۔ راہ فرار اختیار کی اور مشن ہائی سکول کے ایک کلاس روم میں گھس آئے۔ جب حقیقت کھل گئی۔ کہ یہ سب کچھ غلط فہمی اور فرضی توہین کے باعث ہوا۔ تو ایک بار پھر شیر و شکر ہوئے۔ محفل پھر جم گئی۔ اور قہقہوں نے محفل کو کشتِ زعفران بنا دیا۔

عزت و شرم

وزیر کے لئے کثیر المعانی الفاظ ہیں۔ منفی اور مثبت دونوں معنی و مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ خود ساختہ شرم اور عزت بچانے کی خاطر بڑی سرشاری دکھائی جاتی ہے۔ جو بعض اوقات مزید شرمساری کی تمہید بن جاتی ہے۔ تباہی اور بربادی بھی۔ معمولی بحث تنازعہ کا پیش خیمہ بن جاتی ہے جو کسی سانحہ کو جنم دیتی ہے۔ بات خون خرابہ تک پہنچ جاتی ہے اس خاندانی خون خرابے نے وزیروں کو تباہی کے دہانے لا کھڑا کر دیا ہے۔ کیونکہ قتل کیلئے کوئی معافی نہیں۔ خواہ کتنے سال و صدیاں بیت جائیں پر انتقام کا جذبہ تازہ ہی رہتا ہے۔ اگر قاتل نہیں رہا تو اس کا کوئی عزیز تو ہو گا بدلے میں اُسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

واقعہ

ایک انگریز اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ دورے کیلئے نکلے ساتھ کچھ وزیری (بدرقہ) محافظ دستہ بھی تھا۔ کسی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھ کر استراحت کرنے لگے۔ باتوں ہی باتوں میں اس انگریز

افسر نے پوچھا۔ فرض کر لو ہم انگریزوں پر روس کیمونسٹ نے حملہ کر دیا۔ تو تم لوگ کیا کرو گے اور تمہارا ردعمل کیا ہوگا۔ سب اہل محفل چپ چاپ توقف کرنے لگے خاموشی کو توڑتے ہوئے صاحب نے ایک بار پھر یہی سوال دہرایا۔ ایک بزرگ ملک نے جواب دیا کہ صاحب اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ جھوٹ بولوں گا تو خدا ناراض ہوگا۔ سچ کہوں گا تو آپ بُرا منائیں گے۔ صاحب نے کہا کہ نہیں میرا وعدہ ہے ایسی کوئی بات نہیں۔ تم سچ ہی کہو بزرگ ملک نے کہا کہ جب تم دونوں لڑو گے۔ ہم دور سے تماشا کریں گے۔ جب دونوں فریق خوب لڑ بڑھ کر تھک ہار کر کمزور ہو جائیں گے۔ تو تب ہم آکر مداخلت کریں گے۔ اور سب مال و اسباب پر ہاتھ صاف کریں گے۔

ظرف یا ظرافت

ڈاکٹر پینل ایک ہنس آور اور پر لطف واقعہ بیان کرتے ہیں جسمیں ظرافت اور مذاق کا پہلو غالب ہے۔ ہوا یوں چند وضعدار وزیر ایک ملک کی سربراہی میں ملاقات کیلئے آئے۔ ایک غزالہ (ہرنی کا بچھڑا) بھی بطور تحفہ ہمراہ لائے تھے۔ اور جب وہ رخصت ہوئے چند لمحے بعد غزالہ کی تلاش میں کوئی شخص میرے بنگلہ پر آیا اور بتایا کہ یہ غزالہ اس کے خان کا ہے کوئی چور اسکی رسی تڑا کر لے گیا تھا۔ اب یہ غزالہ آپ کے ہاں ہے۔ خان صاحب اسکا تقاضا کرتے ہیں۔ میں نے غزالہ کو اس کے حوالہ کیا۔ مجھے وزیر کے اس معصوم ادا پر غصہ کی بجائے ہنسی آئی اور خوب ہنسا آپ بھی ہنسیئے اور لطف اُٹھایئے۔

خواتین کی حالت زار

وزیر کے ہاں خواتین پردہ نہیں کیا کرتیں مگر سماجی برائی سے بچنے کیلئے خواتین کو معمولی سی بات پر بھی سنگین اور سخت سزا دی جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک خاتون اپنے پڑوسی غیر محرم مرد سے دیوار کے اوٹ میں کچھ کہہ رہی تھی۔ کہ باہر سے خاوند آیا۔ آؤ دیکھا نا تاؤ بس کیا تھا تلوار سے بیوی کا سر قلم کر دیا اور سر کو پڑوسی کے گھر پھینک دیا۔ کہا تم کو میری بیوی پسند تھی اب اس کا سر تحفے کے طور پر قبول کر لو۔ خاوند بدزن تو تھا ہی بدباطن بھی نکلا۔ اسی کو ناکردہ گناہ کی سزا کہتے

ہیں۔ اگر بیوی پر شک گزرے تو اس کی پاداش میں بیوی کی ناک کٹوا دی جاتی ہے۔

خود غرض خاوند

ایک دفعہ ہسپتال میں ایک مرد اپنی ناک کٹی بیوی کو بغرض علاج لے آیا۔ استفسار کرنے پر اس نے بتایا کہ مصنوعی ناک لگانے پر 30 روپے آتے ہیں۔ خاوند نے جلدی کہا کہ 80 روپے پر تو نئی نویلی دلہن خریدی جا سکتی ہے۔

خواتین کا خرید و فروخت

رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے عورت زر خرید ہوتی ہے۔ اگر قیمت ادا نہ کی جائے۔ تو باپ کے لئے بے غیرت بن جاتا ہے۔ کہ اس نے اپنی بیٹی مفت میں رشتہ ازدواج میں منسلک کیا۔ جتنی زیادہ قیمت ملے۔ اتنا ہی وجہ افتخار ہے۔ سن و سال، صغیر سنی اور کبیر سنی۔ امیر و غریب خوبصورت و بد صورت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کا کوئی قید قدغن نہیں البتہ قیمت ادا ہو۔ تو خاوند سیاہ سفید کا مالک اور مجازی خدا بن جاتا ہے۔ بیاہ شدہ خاتون درونِ خانہ اور بیرونِ خانہ سارے کام انجام دیتی ہے۔ مرد حضرات صرف بندوق سے دل بہلاتا رہتا ہے۔ البتہ بعض مرد شب خون کا شغف فرماتے ہیں۔ ڈاکہ زنی اور راہزنی کرتے ہیں۔ یہی ان کا محبوب مشغلہ اور شغف ہوتا ہے۔ اب تو حالات بدل گئے ہیں۔ نیا راگ اور نیا انداز اور نیا ساز ہے۔ حالات بہتری کی طرف آرہے ہیں۔ شائستگی آرہی ہے۔ جو بہترین تعلیم و تربیت کا ثمر ہے۔

کثرت ازدواج

بیوی مال مملوکہ اور مال متروکہ ہوتی ہے۔ بد قسمتی سے اگر خاوند مر جائے تو بھی وہ آزاد نہیں اُسے خاندان کے دوسرے فرد کے ساتھ بیاہ کر دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی صغیر و کبیر کی کوئی تمیز نہیں اور نہ بیوہ کے من و موہن و مرضی کو دخل ہوتا ہے۔

تین بھائیوں کا قصہ

تین بھائی شادی شدہ تھے۔ بڑا بھائی فوت ہوا، بیوی رہ گئی دونوں بھائیوں میں وجہ نزع بن گئی اور دونوں بھائی شہید وفا ہوئے۔ یہ بھی کثرت ازدواج اور غلط رواج کا شاخسانہ ہے۔

ڈاکٹر پٹیل نے ایف آر ہوں سے مراجعت کی گرمی کا موسم تھا۔ ڈاکٹر صاحب اکثر شام کے بعد ہی سفر کیا کرتے تھے۔ اپنے ساتھ دو محافظ بطور بدرقہ لیتا۔ چہرے بشرے سے نیم وحشی معلوم ہوتے تھے۔ دوران گفتگو معلوم ہوا کہ دونوں پیشہ ور بد قماش اور بد معاش ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو دیر گئے ہوں میں اپنے دہلیز پر بخیر وخوبی پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان دونوں کو بطور اجرت بصورت انعام کچھ رقم دینی چاہی۔ دونوں نے انکار کر دیا۔ کہ یہ بے مروتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب بڑے متاثر ہوئے۔ اپنے ماتحت سے کہا کہ رات گزارنے کے لئے دونوں کو اپنے پاس ٹھہرالو، خوب خاطر مدارت کرو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ماتحت کو صبح معلوم ہوا کہ دونوں وہاں سے فرار ہو چکے ہیں۔ اور اپنے ساتھ ماتحت کے سارے بہترین کپڑے بھی لے گئے ہیں۔ آہاہاہاہا

وجہ فساد

کہتے ہیں زن، زر، زمین وجہ فساد ہوا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر پٹیل بیان کرتے ہیں۔

"کامیاب سازش"

تین بھائی تھے۔ ابراہیم، سعد اللہ اور فتح تینوں شادی شدہ تھے۔ ابراہیم سب سے بڑا تھا۔ اسکی موت واقع ہوئی بیوہ سے نکاح کی ٹھہری۔ رواج کے مطابق دوسرا بھائی سعد اللہ حقدار تھا کہ وہ بیوہ جمالہ سے شادی رچالے جبکہ جمالہ کو سعد اللہ پسند نہ تھا وہ فتح کی طرف مائل تھی پر وہ فتح کی پہلی بیوی سے رقابت رکھتی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ فتح کی پہلی بیوی کی وہ دوسرے درجے کی سوتن بنے فتح بھی جمالہ کیطرف راغب تھا۔ جمالہ نے فتح سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں سعد اللہ سے شادی نہیں رچائے گی جمالہ نے فتح پر اپنا عندیا ظاہر کر دیا کہ وہ اس کی پہلی بیوی سے دلی نفرت کرتی ہے۔ چنانچہ فتح نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی۔ ادھر سعد اللہ بضد تھا کہ وہ کسی بھی طور پر اپنے حق سے دست بردار نہیں ہوگا چنانچہ اس نے جمالہ سے بزور

شادی کرلی جمالہ نے بھی بدستور سلسلہ رغبت و محبت قائم رکھا۔ فتح کے ساتھ چپکے چپکے ملتی اور سلسلہ جنسبانی چلتا رہا۔

سعد اللہ نے ایک اور کام کیا اس نے فتح کے مطلقہ بیوی سے بھی تیسری شادی رچالی جس سے جمالہ مزید برافروختہ ہوئی اب تو جس خاتون سے نفرت کرتی تھی اور جس کا سوتن بننا کسی بھی طور پر اسے گوارا نہ تھا مگر اب وہ اسی خاتون کی سوتن بنی وہ بھی تیسرے درجے کی چنانچہ جمالہ نے انتقام لینے کی ٹھانی اور ایک دوسرے شخص سے جو علاقے کا بدمعاش اور سر پھیرا تھا۔ سازباز کرکے سعد اللہ کو ٹھکانے لگادیا یہ شخص بھی انجام کو پہنچا اور قانون کے شکنجے میں آگیا اب جمالہ بالکل آزاد تھی اور اس نے فتح سے شادی کرلی اس طرح متعدد حضرات مرد حضرات اس فرسودہ رواج کی نظر ہو گئے۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
کھٹن یہی منزل ہے قوموں کی زندگی میں

ڈاکٹر صاحب ایک اور واقعہ بتاتے ہیں کہ

ایک صاحب اپنی بیٹی بغرض علاج کروانے ہسپتال لے آئے مریض کی آنکھوں میں خرابی تھی اور تقریباً بینائی سے محروم تھی ڈاکٹر پینل نے اس کا علاج کیا بینائی واپس آئی اور ہسپتال سے مریض کو فارغ کر دیا گیا مگر مریض کا باپ ڈاکٹر صاحب کی گھوڑی پر ہاتھ صاف کر گیا گھوڑی کو پولیٹیکل ایجنٹ کی وساعت سے ڈاکٹر صاحب کو واپس مل گئی بڑی خوبصورت اور پیاری گھوڑی تھی اسلئے صاحب مریض کو پسند آئی تھی۔

"ڈاکٹر پینل کا چشم دید واقعہ"

ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ وزیرستان میں تقریباً ہر گاؤں اور بستی کا اپنی زیارت گاہ ہوتی ہے ایک گاؤں ایسا تھا کہ وہ اس نعمت اور قدر سے محروم تھا وہاں کے باسیوں کو رنج تھا صلاح یہ ٹھہری کہ ان کا بھی کوئی زیارت (نیکہ) ہونا چاہیے۔

چنانچہ اس مقصد کیلئے ایک سید زادے کو دعوت دی گئی وہ اپنی پارسائی کیلئے مشہور تھا انکی یہ پارسائی سید زادے کیلئے نارسائی اور موت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور وہ اپنی پارسائی کا لقمۂ اجل

بنے اسے شہید کر دیا گیا اور پھر ایک عالیشان زیارت گاہ وجود میں آئی جو شہید بابا کے نام سے مشہور کر دیا۔

بموجب ڈاکٹر پینل صاحب۔ افغانوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ بعض مردے کی قبر حسب ولایت وکرامت سال میں فی فٹ کے حساب سے خود بخود بڑھتی جاتی ہے اسلئے بعض قبریں زیارت نوگزی اور چالس گزی مشہور ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایک مثال بھی پیش کرتے ہیں کہ پشاور صدر میں ایک زیارت گاہ تھی اور ہر سال اس کی لمبائی بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ گزر گاہ (سڑک) مانع ہوئی اور جس کیلئے حکومت کو ایک حکم نامہ جاری کرنا پڑا تب جا کر قبر کی بڑھائی رک گئی۔ بموجب ڈاکٹر پینل۔ افغانوں میں زر، زمین اور زن وجہ فساد ہیں۔

تربور

جیسے کہ دیگر افغانوں کا تربور کے بارے میں رویہ ہوتا ہے وزیر بھی کسی افغان سے پیچھے نہیں ہے۔ وہ تربور کو دشمن نمبر 1 کہتا ہے بقول ڈاکٹر پینل وزیر کا عقیدہ ہے۔

(A man is as great an enemy as a Causion) البتہ غیر وزیر کے مقابلے میں وزیروں کا باہمی اتحاد ضرب المثل ہے۔ کہتے ہیں کہ وزیروں کے گریبان میں خلق خدا کا ہاتھ ہوتا ہے جبکہ دنیا جہان کی مخلوق سے وزیر برسرپیکار ہوتا ہے گویا سارا جہان وزیر کا دشمن اور وزیر سارے جہان کا دشمن ہوتا ہے دشمنی نبھانے اور انتقام لینے میں زن مرد سے کمتر نہیں۔ ڈاکٹر پینل ایک چشم دید واقعہ بتاتے ہیں۔ ایک وزیر کو کسی نے قتل کیا مقدمہ لڑا گیا مگر کوئی گواہ نہ تھا قاتل کو رہائی مل گئی مقتول کی بہن جج کو دہائی دینے لگی کہ یہی شخص میرے بھائی کا قاتل ہے اور تم نے اسے آزاد کر دیا جج نے اپنی بے بسی بتائی کہ تم گواہ پیش کرتی تو کچھ ہو جاتا۔ خاتون نے اپنی بے بسی کا سہارا لیا۔ کہ اس بھری دنیا میں کون ایک خاتون کے لئے دشمنی مول لینا چاہے گا۔ تم اپنے طور پر کرتے کہ یہی میرے بھائی کا قاتل ہے۔ آخر کار بالوں کو نوچتی آہ وزاری کرتی۔ زاروقطار روتی ہوئی عدالت سے رخصت ہوئی کہا کہ اب میں اس کا فیصلہ خود کروں گی۔

جمعہ کا دن تھا۔ میلہ تھا۔ فائر کی آواز سنائی دی بھگدڑ مچ گئی ایک خاتون کو گرفتار کر لیا گیا۔ کہ اس نے قتل کیا خاتون بڑی مطمئن تھی۔ کہا سچ ہے میں نے ہی اسے پستول سے قتل کر دیا

ہے یہ میرے بھائی کا قاتل تھا یہ وہی خاتون تھی جس نے اپنے وعدے کا بھرم رکھکر بھائی کے قتل کا بدلہ لیا چنانچہ خاتون کو سزا ہوئی اور انڈیمن ارسال کی گئی۔

"وزیری کی ایک اور خوبی"

ڈاکٹر پینل بتاتے ہیں کہ وہ کسی گاؤں کے چوک میں سوئے پڑے تھے کہ آدھی رات کو چند ڈاکو چوک میں داخل ہوئے ایک نے مجھ پر بندوق تھان لی کیونکہ ابھی ابھی قتل وغارت گری کر کے آئے تھے خون ابھی جوش مار رہا تھا اس نے مجھے قتل کرنا چاہا کہ فرنگی اور کافر ہے مگر سرگروہ نے اسے منع کیا۔ دیکھئے کس بے خوفی سے سو رہا ہے اس کا ہم پر اعتماد ہے۔ یہ ہماری حفاظت میں ہے۔ بے سہارا یا بے یارو مددگار ہے۔ نہیں یہ ہو نہیں سکتا۔ یہ ہمارا مہمان اور ہمسایہ ہے۔ بعد میں اس نے مجھ سے معافی مانگی۔ اور کہا کہ جوان نادان اور ناسمجھ ہے۔ اسکی یہ حرکت اور لاابالی پن تمھارے لئے وجہ رنج نہیں ہونا چاہیئے۔

"ڈاکٹر پینل اور رنگین خان راہزن"

مجھے معلوم ہوا کہ رنگین خان راہزن میرا تعاقب کر رہا ہے کیونکہ اسے میرے روز و شب حرکات و سکنات اور پروگرام کا علم تھا خبر کے مطابق رنگین مجھے اغوا کرنا چاہتا تھا میں نے بھی ارادتاً کسی گاؤں یا چوک یا اپنی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کیا اور رات کو بر لب سڑک تن تنہا سونے لگا تھا رنگین خان کو جب اس بات کا علم ہو گیا تو اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا کہ کون اس بے سہارا انسان کو ستائے گا یہ تو بے مروتی ہوگی۔

"ہمسایہ"

وزیروں کے ہاں ہمسایہ صاحب قدر و منزلت اور صاحب تحفظ ہوتا ہے۔ ہمسایہ غیر برادری کا شخص اور اپنی برادری سے روٹھ کر یا ٹوٹ کر وزیروں کے ہاں پناہ کا طالب بن جائے چوک یا گاؤں کے کسی زیارت گاہ میں دنبہ ذبح کرلے اگر ذبح قبول کیا جائے تو برادری کی ذمہ داری اور تحفظ میں آجاتا ہے اس کی بڑی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ ہمسائے کی حفاظت کے لئے کانڑا مقرر کیا جاتا ہے۔ کانڑا پشتو کا لفظ ہے یعنی پتھر۔ پتھر سے مراد یا تو پتھر کی لکیر مراد ہے جو ان مٹ ہوتی ہے یا

کو گراں۔ بہر حال وزیری میں کانڑار کھنے مقرر کرنے کا معاہدہ بہت پکا اور وزنی ہوتا ہے۔ بصورت عہد شکنی جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جو بوقت کانڑا رکھتے جرمانہ بھی ساتھ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے۔

"خاتون کا آغواء"

یہ جرم ملامت اور دعوت قتل ہے اس کے سوا دوسرا علاج نہیں، اغوا کنندہ و اغواء شدہ دونوں کو ضرور بہ ضرور قتل ہی کیا جاتا ہے۔

"ننہ واتئے / جبہ سائی"

اظہار ندامت کے ساتھ ساتھ اظہار انکساری بھی ہوتا ہے قتل اور اغوا چونکہ ناقابل معافی جرم گردانا جاتا ہے مگر انتقام لینے پر حسب طلب مہلت دی جاسکتی ہے۔ ننہ واتئے کسی در پر جبہ سائی ہوتی ہے۔ اسکی مختلف صورتیں ہیں۔ علاقے کے مشران، بزرگان، پیرو فقیر اور صاحب توقیر اشخاص کو جمع کر کے جرگے کی صورت میں جہاں سے رعایت مطلوب ہو وہاں جاتے ہیں۔ منت سماجت کرتے ہیں۔

دوسری صورت مردے کی قبر میں صاحب غرض شخص داخل ہو جاتا ہے اور اپنا مدعا بیان کرتا ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ قاتل کی طرف سے چند خواتین یا خاتون مقتول کا کوئی رشتہ دار فوت ہو اس کے گھر جا کر مردے کی ٹانگ پکڑا جاتا ہے اور مدعا بیان کیا جاتا ہے سوائے معافی کے مہلت یا دوسری رعایت ضرور دی جاتی ہے۔

"بھڑک"

ڈاکٹر پینل نے وزیروں کی ایک اور امتیازی خصوصیت بیان کی ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے **Bluff** کہا ہے جس کے لغوی معنی بھڑک دکھانا اور رعب جمانا ہوتا ہے وزیر بھڑک مارنے میں مشاق اور ماہر ہوتا ہے اگر مدمقابل جو غیر شناسا بھی ہو اثر میں آجائے تو سمجھو شکار شکنجے میں پنچھی پنجے میں آچکا تو اس کے باب میں بے رحمانہ تعدی اور ظلم برتا جاتا ہے اگر وہ بھڑک اور رعب

میں نہ آئے تو حریف حلیف بن جاتا ہے گویا شرافت پر اتر آتا ہے اس باب میں ڈاکٹر پینل نے وزیر کو بچھوا سے تشبیہہ دی ہے بچھوا ایک خار دار پودا ہے اور نیش دار جھاڑی ہے جو سر تا پا نیش ہی نیش ہوتا ہے یہ صحرائی خودرو پودا ہے اگر کوئی اسے چھو جائے تو چمٹ جاتا ہے سارے نیش مٹی سے ٹوٹ کر جسم میں پیوست ہو جاتے ہیں جو جسم میں ٹوٹ جاتے ہیں یہ پودا اور اس کے نیش بیخ و بن اور نازک و نرم ہوتے ہیں مگر اس کی چبھن اور جلن اور سوزش بڑی دل آزار ہوتی ہے اگر اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑا جائے تو یہ پودا بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے اور نکل آتا ہے۔ وزیر اپنے سخت گیر افسر اور مصاحب کا گرویدہ ہوتا ہے اگر افسر بے لچک رویہ رکھتا ہو کسی بھی مصلحت کے تحت سمجھوتہ نہ کرنے والا ہو تو افسر کی یہ ادا اسے بہت بھاتی ہے۔ البتہ نرم اور شریف اور مصلحت آمیز افسر کیلئے باغیانہ سرگرمی اختیار کرنے میں باق نہیں رکھتا۔

وجہ صاف ظاہر ہے ہر شخص کی فطرت، خاصا، افتاد طبع اور سرشت طبعی حالات کے طابع ہوتی ہے جیسی زمین ہے ویسا انسان۔ زمین کی ساری خوبیاں اور خامیاں وہاں کے باسیوں میں منتقل ہوتی ہیں۔

زمین پتھریلی، بنجر زدہ ، سخت اور سنگلاخ ہو تو وہاں کا باسی بھی بے لچک، سخت خو اور سخت گیر ہوا کرتا ہے۔

"مقدس عہد نامہ / میگنا چارٹر"

وزیروں میں معاملات سلجھانے کیلئے خاص دستور اور منشور موجود ہے جو غیر تحریری ہے جو کہ ان کے معمولات کا حصہ ہوتا ہے اس دستور اور منشور کی وزیری / نرخ یا رواج کا نام دیا گیا ہے۔ یہ عہد عتیق اور زمانہ قدیم سے قائم ہے البتہ کہا جاتا ہے کہ اس کی تجدید حال ہی میں ملک مانی خان پسر نواب سوان خان نے کی۔ وزیروں کے سارے معاملات اور تنازعات اسی رواج کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں اور سلجھائے جاتے ہیں اور ان سے کوئی شخص بھی انحراف کی جرات نہیں کرسکتا چونکہ وزیروں کے شب و روز کے معمولات میں رواج کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے اس لئے ہر چھوٹے بڑے کو رواج کے بارے میں آگاہی حاصل ہے۔

"قصہ عیسیٰ و موسیٰ کا (ایسو۔ میسو)"

وزیر کے تلفظ کے مطابق انہیں ایسو میسو کہا جاتا ہے بموجب ڈاکٹر پینل کے وزیروں میں یہ روایت چلی آئی ہے کہ ایسو اور میسو دو بھائی تھے۔ ان میں میسو گڈریا تھا اور بھیڑ بکریوں کا ریوڑ پال رکھا تھا وہ پہاڑ پر چرانے کیلئے ریوڑ کو روزانہ لے جاتا۔ ایک دن ایک برہ (بھیڑ کا بچھڑا) بھٹک گیا اور غائب ہوا میسو نے اسے بہت تلاش کیا ہر گھاٹی اور کھائی کو چھان مارا۔ آخر کار چوتھی صبح برہ کو ایک گہری گھاٹی میں چرتے ہوئے دیکھا۔ میسو صحیح وقت پر پہنچا۔ اور برہ کو گود میں اُٹھا کر اسے چمکارا، چوما، بوسہ لیا اور سینے سے لگا کر اُٹھالیا۔ اور ریوڑ میں شامل کر لیا۔

روایت کے مطابق خدا کو میسو کی یہ ادا بڑی پسند آئی اور اُسے اپنی رحمت اور برکت سے نوازا۔ چنانچہ میسو بیکہ کا خاندان پھیلا پھولا اور پھیل گیا۔ وزیر اب انہیں میسو بیکہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ میسو بیکہ وزیروں کا جدامجد بتایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر پینل کو اس نام پر اعتراض ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے برہ کے ساتھ غیر معمولی شفقت دکھائی۔ یہ موسیٰ کے بجائے عیسیٰ ہونا چاہیئے تھا۔ خیال اپنا اپنا۔

؎ تجھے جو خاک ہے، مجھکو زر ہے
آدمی آدمی کی نظر ہے

"انتقام اور انعام"

ڈاکٹر پینل بتاتے ہیں کہ ایک بار ایک مریض آیا ٹانگ میں گولی لگی تھی ٹانگ بے کار ہو گئی تھی ران تک گنگرین ہوئی تھی ٹانگ کا کاٹنا ضروری تھا مگر بیمار مصر تھا تاکہ بغیر کاٹے علاج کیا جائے بیمار کی حالت غیر ہو گئی وہ سمجھا مرنے کا وقت آگیا ہے تو اس نے پولیس کو ساری روداد بیان کر دی اور تمام چور ساتھیوں کے نام اور نشان دہی کر دی کہا کہ میرے ساتھیوں نے مجھے اس حالت میں تنہا چھوڑ دیا جب مجھے ان کی مدد کی ضرورت تھی تو مجھے کیا پڑی ہے کہ ان کے نام نہ بتاؤں! اب شاید پولیس کی طرف سے شاباش کے علاوہ کچھ نقد انعام اور سرٹیفیکیٹ بھی ملا اس طرح انعام اور انتقام دونوں تقاضے پورے ہوئے۔

"انوکھا تحفہ"

ڈاکٹر پینل ایک عجیب و غریب وزیری لڑکے کے بارے میں یوں بتاتا ہے کہ ایک دن غریب وزیری لڑکے نے ایک بڑا تربوز میرے بنگلے پر لے آیا۔

"میں نے کہا مجھے تربوز نہیں خریدنا لڑکے نے جواب دیا کہ وہ یہ تربوز انہیں بطور تحفہ لایا ہے مجبوراً مجھے قبول کرنا پڑا، دوسرے دن وہی غریب لڑکا میرے پاس ہسپتال آیا اور اپنی رقم کا مطالبہ کیا میں نے اُسے اس کا وعدہ یاد دلایا مگر وہ رقم مانگنے پر مصر تھا اور دروازے کے سامنے بیٹھ گیا کافی دیر بعد میں نے اُسے زچ کر کے ازراہ مذاق کہا رقم تم کو نہیں ملے گی البتہ جب تم بیمار پڑ جاؤ تو تمہیں دوائی مفت ملے گی تو وہ وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا مگر دوسرے دن صبح سویرے وہی لڑکا ہسپتال آیا میرا انتظار کرنے لگا مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا ڈاکٹر صاحب دیکھو میں بیمار ہو گیا ہوں اب مجھے مفت دوائی دو، چنانچہ میں نے اُسے کچھ دوائی دے دی اور ہمارا حساب بے باک ہوا۔

"انتقام"

ڈاکٹر پینل صاحب انتقام لینے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک وزیر اپنے بیٹے کو زخمی حالت میں ہسپتال لے آیا ٹانگ میں گولی لگی تھی بہت سارا کافی خون بہہ نکلا تھا بیمار کو تاخیر سے لایا گیا تھا ران کی بڑی ہڈی مکمل طور پر ٹوٹ چکی تھی گودا باہر نکل آیا تھا میں نے ٹانگ کٹوانے کا مشورہ دیا اس نے پوچھا کہ ٹانگ کٹوانے کے بعد بیٹے کے بچنے کی گارنٹی دی جائیگی میں نے کہا کچھ نہیں کہا جا سکتا شاید بچ بھی جائے یا مر جائے۔ اس نے کہا جب سو فیصد بچنے کی امید نہیں تو میں مریض کو اسی حالت میں واپس گھر لے جاؤنگا کیونکہ آپریشن اور جراحت کے بعد میرے دشمن کو یہ بہانہ ہاتھ آجائیگا کہ مریض ڈاکٹر کے آپریشن سے جاں بحق ہوا ہے لہذا میں اپنے دعوے کو مشتبہ اور کمزور نہیں بناؤنگا۔ بیٹا بغیر آپریشن کر کے مر جائے تو میں بھرپور انتقام لینے کی پوزیشن میں ہونگا گویا باپ کو بیٹے کی زندگی اتنی پیاری نہ تھی جتنا انتقام لینا پیارا تھا۔

"اچھا نشانہ باز"

بحوالہ ڈاکٹر پینل !ایک دفعہ چچا نے اپنے بھتیجے کو گولی ماردی زخمی حالت میں ہسپتال لایا گیا اس کا علاج ہوا جب اچھا ہوا تو اس کا پہلا کلام اور کام یہ کہ وہ اب وقت ضائع کئے بغیر اپنے چچا کو ٹھکانے لگائے چنانچہ ڈاکٹر پینل کو چار روپے دینا چاہا کہ وہ اس رقم سے نئے کارتوس خرید کرا دیدے تاکہ وہ چچا کا کام تمام کردے۔ڈاکٹر نے اُسے ایسا کرنے سے باز رکھنے کی تلقین کی مگر وہ مصر رہا ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ !ہم نے آپکا علاج کیا جس کے بدلے میں اب تم ہمیں بالواسطہ تکلیف دینا چاہتے ہو چاہئے تو یہ تھا کہ تم شکر گزار ہو کر چچا کو معاف کردیتے بھتیجے نے جواب دیا نہیں ڈاکٹر صاحب چچا سے ضرور انتقام لونگا البتہ ایک اچھا نشانہ باز ہونے کے ناطے وہ ہرگز نہیں بچ سکے گا کہ وہ ہسپتال میں نہیں لایا جائیگا میں چچا سے اچھا نشانہ باز ہوں یقین مانیئے وہ کبھی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا اور ہسپتال کے بجائے قبر پہنچ جائیگا۔

"وزیروں کا قدیم علاج معالجہ اور افغانی حکیم"

افغانی حکیم دو طریقوں سے ہر مرض کا علاج کرتے ہیں۔

ژون یعنی دنبہ یا بکری کو ذبح کر کے ان کی کھال اتار کر مریض کو پہنایا جاتا ہے موسم سرما میں سات دنوں اور گرما میں 48 گھنٹے بعد کھال کو ہٹایا جاتا ہے جس سے سارا جسم نرم، گرم اور کمزور ہو جاتا ہے۔ سخت احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔اگر افاقہ نہ ہو تو یہ عمل کئی بار دہرایا جاتا ہے۔بعض اوقات بار بار عمل جان لیوا بھی ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ علاج دم یعنی داغنا ہے۔یہ حکیم بڑے ماہر ہوتے ہیں۔اپنے کام اور مقام کے بارے میں مہارت رکھتے ہیں۔داغنے کا طریقہ بھی عجیب وغریب ہوتا ہے۔ عمل جراحت بھی ایک طریقہ علاج ہے جسم کے خاص حصے کے خاص رگ سے خون نکالا جاتا ہے اعصابی بیماری کا علاج اسی سے کرایا جاتا ہے تازہ زخم آئے گولی یا کسی تیز دھار آلے سے ہو تو فوراً زخم پر بہت گرم جوش شدہ تیل یا روغن اُنڈیلا جاتا ہے بعد میں زخم پر کپڑا جلا کر تیل ملا راکھ رکھ دیا جاتا ہے اور اسے خوب ڈھانپ کر کپڑے سے باندھ لیا جاتا ہے۔

دست آور دوا یعنی جالاب بھی سال میں ایک بار ضرور دیا جاتا ہے جو بعض اوقات موت کا باعث بن جاتا ہے۔ بعض ضروری آپریشن دیہاتی حجام کے ذریعے انجام پاتے ہیں شکستہ ہڈی کا علاج ترکان سے کیا جاتا ہے وہ شکستہ استخوان کیلئے سلیب بنا کر ساتھ باندھا جاتا ہے بعض اوقات کپڑے کو کس کر مضبوط باندھا جاتا ہے دوران خون رک جاتا ہے اور متعلقہ جگہ گنگرین ہو کر عضو معطل اور بے کار بن جاتا ہے۔

”دانت نکلوانا“

کسی لوہار سے نکلوایا جاتا ہے لوہار اپنے دیسی اوزار (فارسف) استعمال میں لاتا ہے جو دو فٹ سے بھی لمبا ہوتا ہے بعض اوقات جبڑا بھی ٹوٹ جاتا ہے درد دندان اس پر مستزاد ہوتا ہے۔

”زخم کا سی لینا“

خواتین اپنے سر سے کچھ بال نوچ کر بطور دھاگہ استعمال کرتی ہیں اور مہارت کے ساتھ زخم کو سی لیتی ہیں۔

”وزیروں کا مفروضہ“

وزیروں کا علاقہ جو ٹل اور بنوں کے درمیان واقع ہے آزاد ہے جہاں نہ تو کابل کی حکمرانی ہے اور نہ انگریز سرکار کی، یہ علاقہ بے آب و گل گیاہ، پتھریلی اور بنجر زدہ ہے، یہاں کے باسیوں کا پیشہ راہزنی اور ڈھاکہ زنی ہے وزیروں کا عقیدہ ہے کہ جب ہمارے حصے میں خشک و بنجر آئے ہیں اور میدانی نشیبی علاقہ سرسبز و شاداب اور آباد ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قدرت نے یہ سب کچھ ہمارے لئے نعمت غیر مترقبہ کے طور پر پیدا کیا ہے اور خدا نے یہ انتظام فرمایا ہے کہ ہم ان سے حسب توفیق اور حسب ضرورت استفادہ کیا کریں۔ اور اپنے تصرف میں ان فصلوں کو لایا کریں اور اضافی دولت ان کے باسیوں کے پاس ہے اس میں ہمارا حصہ بھی ہے اس نعمت خداوندی سے کفران نہیں کرنا چاہئیے یہ ہمارا حق اور حصہ بنتا ہے۔

مزید ہندو سود خور مخلوق ہیں سود سے وہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا ہے جو وجہ بوجھ ہے اس بوجھ کو ہلکا کرنے ہم شب خون مارتے ہیں ان کی اولاد کو اغواء برائے تاوان لے جاتے ہیں یہ

بھی ہماری ذمہ داری ہے مزید ان وزیروں کا خیال ہے کہ نا سرکار اور نا زمینداروں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کے پتھریلی علاقے میں قدم رنجہ فرمائیں تاکہ ہم ان پتھریلی بنجر پہاڑوں کے بیچ عشرت سے آزاد زندگی گزار سکیں۔

"ڈیورنڈ لائن"

1893ء تک افغانستان سرحد غیر متعین تھا چنانچہ مارٹمر ڈیورنڈ (Martimar Durand) کو آمیر عبدالرحمٰن والئے کابل کے نمائندوں کے ساتھ مل کر سرحدات کا تعین کر دیا گیا جس کے مطابق تیراہ (آفریدی، اور کرزئی) وزیرستان (وزیر و محسود) کو آزاد چھوڑ دیا گیا۔ یہاں قانون کی عمل داری کے بجائے رسم و رواج کے مطابق معمولات اور معاملات زندگی گزارنے کی اجازت دی گئی ہے اس شرط پر کہ یہ قبائل بھی بندوبستی علاقے میں مداخلت بے جا نہیں کرینگے۔ یاد رہے قبائل کی اکثریت غارت گری اور ڈاکہ زنی کو پسند نہیں کرتی تو بھی بعض من چلے باغی عناصر مادر پدر آزاد جن کی نہ زمینیں ہیں نہ ملکیت اس دھندے میں مبتلا اور مصروف رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ سرکار اور علاقہ کے مشران اور ملکان کے تصرف سے باہر ہوتے ہیں۔

بمطابق ڈاکٹر پینل، قبیلہ بنگش اور قبیلہ توری کا مجمل حال

قبیلہ بنگش اور قبیلہ توری کا مجمل حال

علاقہ زیریں کے نشیبی خطے سے لیکر وزیرستان تک کی وادی قبیلہ بنگش کے قبضے میں تھا جو کوہاٹ کے باسی تھے اور سنی مسلک رکھتے تھے کالاباغ کے قریب دریائے سندھ کے مشرق کی جانب توری قبیلہ آباد تھا۔ مذہبا شیعہ مسلک رکھتے تھے یہ محنتی تاجر خانہ بدوش تھے موسم گرما میں آپر کرم میں بغرض تجارت جاتے یہ ٹھنڈا علاقہ ہے 1700ء میں قبیلہ توری نے قبیلہ بنگش سے بر کھا چھین لیا پھر دو گاؤں پیواڑ اور میلانا بھی قبضہ کئے توری بتدریج آگے بڑھتے رہے۔ شلاوزان تک جو بنگش تھے پہنچے اور یہ علاقہ قبضہ کرنا چاہا شلاوزان کی پوری آبادی شیعہ مسلک اختیار کر گئی اس طرح وہ اپنے گاؤں اور زمینی ملکیت کو بچانے میں کامیاب ہوئے یہاں وادی میں توری قبیلہ کا جی لگا اور سارا سال اسی وادی کرم میں رہنے لگے۔ اور پھر میدانی علاقے میں نہ اُترے اب زیریں وادی علی زئی تک بنگش کے ساتھ توری گھل مل گئے ہیں۔

توری اور بنگش گاؤں ساتھ ساتھ آباد ہیں۔ علی زئی کے نیچے اب بھی ساری زمین پر بنگش قابض اور آباد ہیں سرکار انگریزی کے طفیل امن وامان قائم ہوا اب زمین کا چپہ چپہ آباد اور قابل کاشت بنایا گیا ہے۔وادی کے بالائی خطہ پر منگل اور مقبل آباد ہیں جبکہ زیریں حصہ میں زیمک آباد ہیں۔ جہاں شیعہ آباد ہیں۔ابر کابل کے ہاتھوں پریشان نہیں جو سنی مسلک رکھتا ہے۔ یہاں عیسایت کی پرچار کے لئے حالات سازگار ہیں۔

قبائل کا موجودہ نظام رابرٹ سینڈ مین کا وضع کردہ ہے۔ جس کے مطابق پولیٹیکل افسر طاقت اور اختیارات کا سرچشمہ ہے۔

1901ء میں لارڈ کرزن نے پنجاب سے 5 اضلاع کاٹے تھے اور صوبہ سرحد نام دیا گیا ہے۔اسمیں ہزارہ، پشاور، کوہاٹ، بنوں اور ڈیرہ شامل تھے۔بعد میں مردان ضلع بھی تشکیل پا کر شامل کر دیا گیا۔

بقول ڈاکٹر پینل :

ملا پیونده کے بارے میں مشہور ہے۔ کہ وہ جس کسی کو خاص تعویز لکھ کر دیدے۔ جس پر قرانی آیات رقم ہوتی ہیں۔ وہ گولی اور تلوار کی ضرب سے محفوظ رہتا ہے۔ اس تعویز کو پشتو میں تیغ بند کہتے ہیں۔ گویا گولی۔ چھرا۔ خنجر تلوار یا دیگر تیز دھار والے آلہ سب بے اثر ہو جاتے ہیں۔

امیر عبدالرحمٰن امیر کابل بھی اس ماورائی اثر کا قائل تھا۔ اس تعویز کو اس نے خود پہ تجربہ کے طور پر آزمایا۔ اس پر بندوق سے فائر کی گئی۔ وہ خود محفوظ رہا۔ پر اس کے عین پیچھے کھڑا لڑکا گولی سے زخمی ہو کر گر پڑا۔ ایک دفعہ بھیڑ کے گلے میں تعویز باندھا گیا۔ اس پر بھی بندوق کی گولی بے اثر رہی۔

ایک کرشمائی کردار "شیکی"

بحوالہ ذاکر ...

درہ خیبر کے شمال اور وادی کرم کے جنوب میں تیراہ ایک خطہ ہے۔ یہاں ایک غریب شخص کا بیٹا محمد سرور تھا۔ جو کہ ایک پنساری کے ہاں نوکر ہوا۔ اور ایک معمولی پن چکی میں کام کرنے لگا۔ پن چکی ایک مقامی آبشار پر ایستادہ کی گئی تھی۔ یہاں ایسے بے شمار پہاڑی پن چکیاں ہوتی ہیں۔ جو روزگار کے ساتھ ساتھ کلب کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہاں اوقات فرصت میں موسم گرما میں لوگ جمع ہو کر آبشار کے سرو درخت کے سایہ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ محمد سرور نہایت غریب قلاش تھا نہ زمین نہ ریوڑ رکھتا تھا وہ بہت غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ اس کا اصغر نامی ایک دوست بھی تھا وہ بھی اس جیسا غریب تھا مگر اصغر رات کو اکثر غائب رہتا آہستہ آہستہ اس کی مالی حالت سدھرنے لگی تھی اور چار کنال زمین اور ریوڑ کا مالک بنا شاید چالیس عدد بھیڑ بکریوں پر مشتمل تھا محمد سرور حیران تھا آخر وجہ کیا ہے البتہ انہیں معلوم تھا کہ اصغر متعدد مقدموں میں ماخوذ اور پولیس کو مطلوب تھا آخر کا محمد سرور نے یہ راز پا ہی لیا پھر تو دونوں میں دوستی کے علاوہ رازداری بھی ہو گئی دونوں رات کو شکار کی تلاش میں نکلتے اور راہ گیروں کو پریشان کرتے یا کسی کے مال مویشی کو بھگا لیتے بہر حال غلام سرور کے حالات بھی سدھرنے لگے۔ ایک واردات میں پکڑے بھی گئے مقدمہ بنا مگر بے گناہ ثابت ہوئے۔

ایک رات حسب معمول واردات کیلئے نکلے۔ انہوں نے تاریکی میں دور سے ایک شخص کو منہ چھپائے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا انہیں تنبیہ ہوئی فوراً اس شخص کو رک جانے کو کہا پوچھا کون ہو جواب ملا اپنا، نزدیک آیا بتایا وہ بھی راہزن ہے صلاح ٹھہری، آج تینوں مل کر واردات کریں گے۔ اس تیسرے شخص نے قریب واقع ایک فرم بتایا یہ نورالدین کی ملکیت ہے یہاں ایک فربہ دنبہ موجود ہے مشورہ کے مطابق اصغر دیوار پلانگ کر دنبے کو اٹھا لایا قریب کے جنگل میں پہنچے صلاح یہ ٹھہری دنبے کو ذبح کیا جائے اور تیسرے شخص نے دنبے کا صرف سر مانگا سودا سستا تھا اصغر اور سرور دونوں راضی ہوئے اور ایسا ہی ہوا مگر صبح سویرے لیوی والے آئے اور

دونوں دوستوں سرور اور اصغر کو گرفتار کر لیا ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔

انہیں پیشی کیلئے عدالت لایا گیا عدالت کے استفسار پر انہوں نے جرم سے انکار کر دیا منصف نے اردلی سے اشارہ کیا اردلی ایک شے کو چادر میں لپٹی ہوئی میز پر رکھ دیا کھولا گیا وہی دبنے کا سر۔ جادو سر پر چڑھ کر بولا جرم ثابت ہوا انکار کی گنجائش نہ تھی منصف رائے پی اے نے بتایا کہ حکومت ہر جائی ہوتی ہے آپ لوگوں کی ہر جنبش اور حرکت پر حکومت کی نظر ہوتی ہے مگر ایک بار پھر تم کو موقع دیا جاتا ہے اس عمل بد سے توبہ کر لو رہائی ملے گی ایسا ہی ہوا دونوں ایک بار پھر رہا ہوئے مگر وہ پھر بھی باز نہ آئے اور وہی دھندا شروع رکھا۔

اصغر کسی واردات کے دوران جان سے ہاتھ دھو بیٹھا مگر سرور اپنی دلیری کے باعث راہزنوں کا سر گروہ بنا اور پورے علاقے میں اس کی دھاک بیٹھ گئی راہزنی کے ساتھ قتل وغارت گر بھی بنا اور دوسرا نام پایا۔ "شکی"

شکی پشتو میں لوٹ مار کرنے والے کو کہتے ہیں۔

"روداد مزید"

ہوا یوں کہ مُلا درویزہ کے دینی مدرسے کا ایک طالب علم تھا وہ شکل وصورت کے لحاظ سے قابل التفات تھا۔ اسے علاقے کے ملک نے مدرسے سے کھینچ کر اپنے ساتھ نوکر رکھا عمر تیرہ سال کی تھی۔ اب احادیث اور درس قرآن کے بجائے رقص وسرور، باجا اور رباب اور سرنا میں دلچسپی لینا شروع کر دی جان محفل اور رونق محفل بنا یہ منظر مُلا درویزہ کو ناگوار گزرتا تھا مگر کیا کرتا ایک شام شکی اسکے مسجد میں نماز پڑھنے آیا۔ مُلا صاحب کو ایک منصوبہ سوجھا، شکی سے سرگوشی میں بات کہہ دی اور ایک تھیلہ روپوں کا پیش کیا گیا شکی اس شام وہاں سے رخصت ہوا، دوسری شام کسی جگہ جہاں ملک مطلوبہ وضو بنا رہا تھا اسے قتل کر دیا مجرم فرار ہوا کسی کو کچھ معلوم نہ تھا اب تو شکی کو خون کا چسکا لگا۔ مزید اس کارخیر میں تیزی اور سرگرمی دکھانے لگا۔

"مزید ترقی"

شکی عروج کی زینے پر چڑھتا رہا بلندی پر پہنچا بہت سارے ہم خیالوں اور ہم پیشہ خود سروں کا سردار بنا اس مد میں خوب ترقی کرلی چنارک مین قلعہ نما برج بنوایا جہاں وہ رسی کا زینہ بنا کر برج تک رسائی حاصل کرلیتا رسی کو اوپر کھینچ لیتا اور وہاں بے خوف و خطر رہتا۔

"قسمت نے یاوری کی"

اس دوران جبکہ اس کا ستارہ قسمت بام عروج پر تھا۔ وہاں کے دو افغانی قبیلوں میں مناقشہ پیدا ہوا۔ ایک قبیلہ گڑ اور دوسرا اسماعیل کہلاتا تھا۔ انجام کار دونوں میں خونی تصادم ہوا۔ کئی قتل ہوئے۔ معاملہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ کشیدگی بڑھی۔ اسماعیل قبیلہ نے شکی کی معاونت مانگی۔ مشروط سمجھوتہ ہو گیا۔ اور شکی اس قبیلہ کا سرِ لشکر بن گیا۔ بڑی تباہی مچی۔ آخر کار دونوں قبیلوں میں صلح کرنے کی ٹھہری۔ شکی کی سربراہی میں صلح ہوئی۔ دونوں طرف سے خوب ضیافت کا اہتمام کرادیا گیا۔ اب تو بلا شرکت غیر شکی ہزاری بنا، ایک بار پھر حریف حلیف بنے گویا اس کے جلو میں ہر وقت اور ہر حال میں حفاظتی دستہ حاضر رہتا اور وہ 8000 لشکر کا امیر لشکر اور امیر قبیلہ بنا گویا بے تاج بادشاہ اب شکی بڑا مالدار صاحب اختیار با وقار اور بہت بڑا زمیندار تھا مگر شکی پھر بھی بہت سادہ کپڑے پہنتا تھا دیسی ساخت کی چپلیاں جو مزری کی ہوتی تھیں استعمال کرتا تھا۔ جس کی بازاری قیمت ایک آنہ فی جوڑا ہوتا تھا کدر کے کپڑے پہنتا عام سادہ پگڑی استعمال کرتا تھا مگر بول چال میں وقار ہوتا۔

"دوراندیشی"

ایک دفعہ ایک حجام اس کی حجامت بنوا رہا تھا دوران گفتگو حجام نے بتایا کہ آپ کا دشمن منیم نے ایک بار اُسے 500 روپے کا نقد انعام دینا چاہا اس شرط پر کہ میں آپ کے (شکی) گلے پر اُسترا زور سے کھینچ کر پھیر لوں اور آپ کو قتل کردوں، مگر میں نے اس خنزیر کے بچے کی بات نہ مانی اور آج یہ ماجرا میں نے آپ کو (شکی) سنادی، شکی جب اس سے فارغ ہوا تو اس نے بندوق کا منہ حجام کی طرف کر کے بولا۔ آج تم نے میرے دشمن کی بات کو رد کردی شاید کل تم لالچ میں

آکر میرے گلے پر اُسترا پھیر دوگے۔ چنانچہ اس نے حجام کا کام تمام کر دیا۔

شکی جب پولیٹیکل آفسر سے ملاقات کو آتا۔ تو وہاں اُنکی آمد سے ایک تہلکہ مچ جاتا۔ شکی بڑا ملنسار شخص تھا۔ مگر حد درجے کا دلاور اور جیدار تھا۔ حکومت کے کارندے بھی اسکی پذیرائی میں پیش پیش ہوتے۔ جبکہ دیگر مالکان زرق برق قیمتی کپڑے اور پگڑی پہنے ہوئے ہوتے مگر شکی کی شان ہی کچھ اور تھی اس کی عظمت اس کی سادگی اور دلیری میں پنہاں تھیں۔ زندگی سے موت جنم لیتی ہے۔ ایلدن خوجل خیل وزیر نے شکی پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اور شکی جاں بحق ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

"سیلگئ"

ایف آر بنوں میں سپر کی وزیر جو قبیلہ درویش خیل کا ذیلی شاخ ہے۔ سیلگئ کا تعلق اسی شاخ سے ہے۔ اس کا مسکن گمبتی تھا۔ گمبتی میں ایک قلعہ نما برج استادہ تھا۔ بہت مضبوط اور مستحکم۔ یہ سیلگئ کی رہائش گاہ بھی تھی، اور پناہ گاہ بھی۔ سیلگئ سے انگریز سرکار پریشان رہتی۔ اور وہ انگریز زیر تسلط علاقوں پر یلغار کرتا۔ جسکی وجہ سے انگریز افسروں کی جان و مال محفوظ نہ تھی۔ 1897ء کا زمانہ تھا۔ جہاں ان کے متعدد حملوں میں شدت آگئی تھی۔ سیلگئ پسر میاں خان درویش خیل قبیلہ کے ذیلی شاخ سپر کی وزیر سے تعلق رکھتا تھا۔ بچپن میں بڑا تیر انداز مشہور تھا۔ اور جب وہ 15 سال کا ہوا تو بندوق کا استعمال کرنے لگا۔ تو بہت جلد اپنے علاقے کا ماہر نشانہ باز بن گیا۔ طرار اور تیز طبیعت کا مالک تھا، دلیر اور جیدار بھی تھا اور دوست دار بھی۔ اس لئے ان خوبیوں کے باعث وہ ایک گروہ کا سرگروہ بن گیا۔ ڈاکہ زنی اور راہزنی میں نام پیدا کیا انگریز تسلط علاقوں پر یلغار کرتا۔ شب خون مارتا۔ اور امیر ہندوؤں کو اغوا برائے تاوان کرتا۔ اگر مغوی کے وارث تاوان ادا کرنے میں تاخیر یا تساہل دکھاتے۔ تو مغوی کا کوئی انگوٹا کاٹ کر متعلقہ وراث کو بھجوا دیتے تو ان کی ادائیگی میں پیش رفت ہوتی۔ وہ سر شام کسی بھی گاؤں میں گھس جاتا۔ اور زیورات اور نقدی چھین لیتا۔ ان کا نشانہ خاص طور پر ہندوؤں ہوتے تھے۔ اگر اُسے معلوم ہو جاتا۔ کہ کسی نے اُس پر مخبری کی ہے۔ تو خبر کار کی خیر نہ ہوتی۔

ایک دفعہ اپنے 15 ساتھیوں کے ہمراہ آکر بزن خیل وزیر کو قتل کیا تعاقب میں مقتول

کا بھائی اور پولیس اہلکار نکلے مقتول کا بھائی گولی لگنے سے شدید زخمی ہوا مگر اس کا تعاقب جاری رکھا۔ اگرچہ پولیس نے اس کا تعاقب کرنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ وہ سلیگئی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مزید عددی برتری بھی پولیس کو حاصل نہ تھی۔ سلیگئی معہ ساتھیوں کے اپنے مسکن پہنچنے میں کامیاب ہوا اس زخمی شخص کو حکومت کی طرف سے انعام ملا۔

سلیگئی کی وجہ سے پولیس چوکیاں اور انگریز افسروں کی جان ومال غیر محفوظ تھی۔ اور حکام سلیگئی سے بہت پریشان ہوئے۔ چنانچہ انگریز سرکار نے سلیگئی کے سر کی قیمت مقرر کر دی۔ اس کے باوجود سلیگئی کی سرگرمیوں میں مزید سرشاری اور تیزی آگئی۔ اب انگریز سرکار نے سلیگئی کو ٹھکانے اور اس کے استانے کو گرانے کا منصوبہ بنالیا۔ ایک میٹنگ ہوئی۔ 17 نومبر 1902ء کو بنوں چھاؤنی سے رات 2 بجے 53ویں سکھ رجمنٹ کرنل ٹوچی اور ان کے نائب میجر وائٹ کی سرگردگی میں درے کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ جس میں 600 جوان شامل تھے۔ متعدد توپوں کی مدد حاصل تھی۔ 18 نومبر 1902ء صبح 9 بجے گمتی میں استادہ برج کو گھیرے میں لے لیا گیا۔

انگریز پولیٹیکل ایجنٹ ڈونلڈ بذات خود برج کے قریب جاکر سلیگئی خود کو غیر مشروط طور پر حکومت کے حوالے کرنے کو کہا۔ سلیگئی نے خود کو گرفتاری کے لئے ان شرائط پر پیش کرنا چاہا۔ کہ اُسے اور ان کے ساتھیوں کو جو 8 نفوس پر مشتمل تھے۔ ہتھکڑیاں نہیں پہنائی جائینگی۔ مزید ان کے مسکن / گھر میں کوئی سرکاری اہلکار داخل نہیں ہوگا۔ ڈونلڈ نے ان شرائط کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اب تو سلیگئی کے سامنے کوئی راہ ورسم باقی نہیں رہی۔ سوائے مرنے مارنے کے۔ ڈونلڈ نے سلیگئی سے سوال کیا۔ کہ جب تک وہ اپنے لائن یعنی لشکر سے نہ ملے۔ سلیگئی کی طرف سے پہل نہ ہو۔ چنانچہ سلیگئی نے اس کی جان بخشی کر دی۔ سلیگئی نے تب فائر کیا جب ڈونلڈ نے سر سے ٹوپی اُٹھا کر اشارہ کیا کہ اب طبل جنگ بج چکا ہے۔ کرنل ٹوچی پہلی گولی کا نشانہ بنا۔ جسے سلیگئی نے داغا تھا۔ توپوں نے قلعہ نما برج پر گولے برسانے شروع کر دیے جب گھیرا بہت تنگ ہوا۔ تو سلیگئی خود قلعہ سے نمودار ہوا۔ اور توپ پر وار اور فائر کر دی۔ چشم زدن میں کئی ایک کو ہلاک کر دیا۔ متعدد سکھ افسر اور جوان بھی ہلاک ہوئے۔ میجر وائٹ نے آگے بڑھ کر کرنل ٹوچی کے انتقام لینے کی قسم کھائی۔ وہ بھی آنکھ میں گولی لگنے سے زخمی ہوا اور اسی حالت میں بنوں چھاؤنی پہنچا

دیا گیا۔ جس کی روداد ابتانا ابھی باقی ہے۔ قلعہ کی دیوار بارود سے اڑا دی گئی۔ سلیگئی شہید ہوا۔ اسے چار گولیاں لگی تھیں ان کے ساتھ 8 سر فروش ایک ایک کر کے شہید ہوتے گئے۔ قلعہ مسمار ہوا۔

کہتے ہیں کہ سلیگئی نے باقاعدہ لڑائی شروع ہونے سے قبل اپنی ماں کے سامنے دو زانوں ہو کر دعا مانگی تھی ماں نے اپنے بہادر بیٹے کو چوما اور بہت ساری دعائیں دی تھیں۔ سلیگئی وزیر کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔ اور نہ غیر مسلح کیا جا سکا۔ ان کی لاش کی تالاش شروع ہوئی ملبہ کے ڈھیر کے نیچے اسکی لاش ملی۔ اس حالت میں کہ اس کی بندوق اب بھی اس کی گرفت میں تھی۔ اور دو جوانوں نے بمشکل سلیگئی کے ہاتھوں کو کھولا۔ اور بندوق آزاد ہوگئی۔ پر سلیگئیبھی قید حیات سے آزاد ہوا۔ حسنِ اتفاق دیکھیے جس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ تو جلیانوالہ باغ کا قاتل انگریز جنرل مائیکل ڈائیر بھی بنوں آیا تھا۔

ڈاکٹر کا بیان ہے کہ سلیگئی کی بیوی سے بڑھکر خوبرو، باوقار اور سندر خاتون مجھے کہیں بھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ انگریز کو یہ سودا اور یہ منصوبہ بہت مہنگا پڑا۔ ایک کرنل ٹنوچی، ایک میجر وائٹ اور کئی سکھ افسر اور بیسوں جوان جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ڈاکٹر پینل مزید روداد ابتاتے ہیں کہ

18 نومبر 1902ء گمبت میں کرنل ٹنوچی زخمی حالت میں بوقت 10 بجے کرنل لومیلی کے بنگلے میں لائے گئے میکلیو بھی ساتھ تھا وہ اسے گمبت سے لائے تھے۔ ٹنوچی کو 50 گز کے فاصلے سے گولی لگی تھی، جس سے بہت زیادہ خون بہہ نکلا تھا۔ گولی پسلیوں سے ہوتی ہوئی گھٹنے کے قریب سے جا نکلی تھی۔ ۱ بجکر ۱۵ منٹ پر واران نے محسوس کیا کہ (یہ اس کی دیکھ بھال پر معمور تھا) کہ ٹنوچی کی حالت غیر ہو گئی ہے۔ اُسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اپسے کپکپی ہونے لگی تھی۔ لرزہ ہو گیا۔ اس کے بعد ۱ بجکر 30 منٹ پر چل بسا۔

کرنل براؤن نے مجھے (ڈاکٹر پینل) بلایا۔ جب میں پہنچا تو ٹنوچی چل بسے تھے۔ میں اور میکلیو نے لاش کو قلعہ پہنچایا۔ جہاں میجر وائٹ بھی ایک کمرے میں پڑے تھے۔ جو اب مر چکے تھے۔ میجر وائٹ کی بائیں آنکھ میں گولی لگی تھی۔ گولی آرپار نکلی تھی۔ ان کے جنازوں/لاشوں کو توپ پر رکھ کر کھینچایا گیا۔ اور ملٹری اعزاز کے ساتھ بنوں قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

"روداد درد"

درہ نوچی جو تجارتی شاہراہ ہے۔ ایک دفعہ ایک مختصر سا تجارتی قافلہ اسی درہ میں سے گزر رہا تھا۔ اُس قافلے میں مانک کوچی بھی شامل تھا، اپنے قد کاٹھ اور دراز قد طاقتور جسم اور دلیری کے باعث سالار کارواں تھا اُس کی رہنمائی میں قافلہ اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں خراماں بداماں تھا۔ مانک خان کے بھی تین اونٹ تھے۔ جو سامان خورد نوش اور دیگر روزمرہ کے استعمال کے اشیاء سے لدے ہوئے تھے۔ جو اُس کے ذریعہ زیست تھا۔ آج معمول سے زیادہ مانک خان خوش تھا۔ ایک سال مہاجرت کے بعد اپنے بال بچوں کے ساتھ ملنے کی تمنا لئے ہوئے کچھ گنگنا رہا تھا۔ اگرچہ کہ دشمن کا دور تک نام و نشان نہ تھا، تو بھی متوقع دشمن کا خوف اہل قافلہ کے اعصاب پر سوار تھا۔ وہ سب مسلح تھے۔ تعداد 10/12 ہو گی خواتین اور بچے بھی ساتھ تھے کچھ سوار اور کچھ پیدل جا رہے تھے۔ مانک خان بچوں اور بیوی کا خیالی تصور لئے ہوئے تیز تیز قدم اُٹھا رہے تھے گویا تصور جاناں لئے ہوئے اپنے گھر کی طرف گامزن تھا۔ وہ بہت جلد اپنے بال بچوں میں مل جائے۔ شام کی نماز کا وقت آ پہنچا۔ کارواں رکا۔ نماز کی تیاری کرنے ہی لگے تھے کہ دشمن نے قریب پہاڑ کی اوٹ سے گولیوں کی باڑ چلا دی۔ مانک خان جو امیر قافلہ تھا گولیوں کی زد میں آ گیا ۔اور زمین پر گر پڑا۔ چشم زدن میں راہزن جو وزیر تھے۔ قافلے پر ٹوٹ پڑے اور اونٹوں کو پکڑنے کی کوشش کی، اُنکی تعداد درجن بھر کی ہو گی۔ اُونٹ بدک گئے۔ تو بھی خواتین نے اونٹوں کو رسیوں سے تھامے رکھا اور قافلے والے بھی وہاں پہنچ گئے۔ میدان کارزار لگ گیا۔ دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ تلوار اور چھروں سے ایک دوسرے پر وار کرنے لگے زمین خون سے لال ہو گئی۔

حرب و ضرب کا ساماں تھا۔ آخر کار وزیر نے مزید مقابلہ کرنا بے سود سمجھا۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ خواتین زخمیوں کی تیمارداری کے لئے مستعد ہو گئیں۔ سر کے بالوں کو نوچا اور زخموں کو سیا۔ بے چارے مانک خان کو ران پر گولی لگی تھی۔ ران کی ہڈی مکمل طور پر ٹوٹ گئی تھی۔ مانک خان ملنے جلنے سے قاصر ہو چکا تھا۔ ران کی ہڈی کا ایک حصہ باہر نکل چکا تھا۔ مانک خان درد و کرب سے کراہ رہا تھا۔ اُسے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ اور اُسے چارپائی سے باندھ کر اونٹ

پر لادا گیا۔ اور مقتل سے منزل کی طرف قافلہ روانہ ہوا آخر کار مانک خان گھر میں اُتارا گیا۔ بچوں کی خوشیاں تمہید ماتم بن گئیں۔ جلدی سے ایک گوسفند کو ذبح کیا گیا۔ اور اُس کی کھال مانک خان کو پہنا دی گئی۔ حکیم اور مُلا کو بلایا گیا۔ دونوں نے اپنا کرتب و کمال دکھایا۔ جو اس مد میں یکتا مانے جاتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں رشتہ دار آئے۔ اُن کی ضیافت کرائی گئی۔ اور ایک اور دنبہ ذبح کیا گیا۔ رشتے داروں میں پیسے تقسیم کئے گئے۔ تیمارداری اور بیمار پرسی کا طویل عرصہ پر محیط ہو گیا۔ اُسی دوران زخم بڑھتا گیا۔ زخم رستا رہا پھر اُس میں سے پیپ بہنے لگی۔ زخم ناسور بن گیا۔ اور اُس سے سخت بدبو آنے لگی۔ سوائے بیوی کے جو ہر وقت اُس کی چارپائی کے ساتھ تھی اور باقی سب نے مریض سے دور رہنے میں عافیت سمجھی۔ آئے دن حکیم اور مُلا تبدیل ہوتے رہے جس نے جس کو تجویز کیا اُسی پر عمل کیا گیا۔ جڑی بوٹیاں بھی تبدیل ہونے لگی تھیں۔ صلاح یہ ٹھہری کہ غزنی سے ایک مشہور زمانہ حکیم کو بلوایا جائے۔ مگر اس کی فیس بہت زیادہ تھی۔ ویسے مانک خان بہت مقروض ہو چکا تھا۔ یکے بعد دیگرے دونوں اُونٹ قرضے کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ صرف ایک اونٹ باقی تھا۔ جو کہ آخری سہارا تھا۔ بہر حال حکیم کو غزنی سے بلایا گیا۔ حکیم نے زخم کا معائنہ کیا۔ اور اس نے شکستہ ہڈی کو بوسیدہ گوشت سے آزاد کرانا ضروری سمجھا۔ آخر کار اُون کو تیل مین بھگو کر آگ لگا دی گئی۔ اور زخم پر رکھ دیا گیا۔ اس سے جو درد مانک خان کو محسوس ہوا، بیان سے باہر ہے۔ مانک خان نے پگڑی کا شملہ منہ میں ٹھونس دیا۔ اور دوسرے دوست نے مضبوطی سے دبائے رکھا۔ چند دن بعد بوسیدہ گوشت اتر گیا اور شکستہ ہڈی صاف دکھائی دینے لگی غزنی کا حکیم اس تیسرے اونٹ کو بطور فیس ساتھ لے گیا کئی مہینے علاج اور رسم و رواج کی نظر ہو گئی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی مرض کے ساتھ قرض بھی بڑھتا رہا حوصلہ مند مانک خان حالات کے رحم و کرم پر تھا کربناک حالات سے دوچار تھا زندگی سے مایوس ہو چکا تھا ایک دن کسی نے ایک انگریز ڈاکٹر جو ڈیرہ اسماعیل خان کے مشن ہسپتال میں سرجن تھا تذکرہ کیا کہ وہ مسیح ثانی ہے۔ اور مریضوں کا مفت علاج کرتا ہے بہت لیت و لعل کے بعد وہاں جانے کی ٹھہری مگر زاد سفر کہاں اور کیسے ہوتا اب مانک خان کے پاس کچھ نہ رہا تھا۔ علاج اور فرسودہ رواج سے سب کچھ ختم ہو چکا تھا صرف اور صرف اس کی دس سالہ اکلوتی بیٹی مینا تھی جو اب اسے بھی فروخت کئے جا رہا تھا مجبوری

تھی مانک خان نے اپنے لخت جگر کو 80 روپے کے عوض بیچ ڈالا۔ مانک خان کی بیوی بچوں کی دیکھ بھال کے لئے گھر میں رہ گئی۔ مانک خان کے ساتھ بوڑھی ماں ڈیرہ اسماعیل خان کیلئے روانہ ہو گئی طویل مسافت اور تکلیف دہ سفر کے بعد جب یہ تھکا ہارا قافلہ ڈی آئی خان کو پہنچا تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر جان ویلیم بنوں ہسپتال کو چلے گئے ہیں اب بنوں کیلئے قافلہ پیدل روانہ ہوا جبکہ مانک خان کو چارپائی سے باندھ کر اونٹ پر لادا گیا تھا تین دن بعد قافلہ مشن ہسپتال بنوں پہنچا اور مریض کو داخل کر دیا اور علاج شروع ہوا بعد میں ڈاکٹر پینل نے مانک خان کو بتایا کہ آپ کی ٹانگ بے کار ہو چکی ہے اور ٹانگ لاعلاج ہے اس کو کٹوانا ضروری ہے مانک خان نے معذور زندگی پر موت کو ترجیح دی اور ہسپتال سے رخصت ہوا اور موت کے انتظار میں چند دن زندہ رہا ڈاکٹر پینل کو بعد میں کسی نے بتایا کہ مانک خان کچھ عرصہ بعد چل بسا مانک خان نے وصیت دے رکھی تھی کہ میرے بعد بال بچوں کو ڈاکٹر پینل کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ ان کی کفالت کرے۔ مانک کی بیوی بچوں کو ساتھ لے کر ڈاکٹر پینل کے پاس پہنچی مگر معاشرہ حائل ہو گیا اور یہ قافلہ ایک بار پھر بے نیل و مرام واپس وطن لوٹا کیونکہ ڈاکٹر پینل عیسائی کافر تھا۔

"قبیلہ خٹک - سرگزشت"

کارنڑ کا بیٹا ککی۔ ککی کے چار بیٹے تھے۔

۱) برھان ۲) حوگیانی ۳) سلیمان ۴) شیتک

برھان کے بھی چار بیٹے تھے۔

۱) عثمان ۲) لقمان عرف خٹک ۳) زدران ۴) اتمان خیل

لقمان عرف خٹک کے دو بیٹے تھے۔

۱) تورمان ۲) بولاک

تمام خٹک قبیلہ انہیں دو اشخاص کی اولاد سے ہے ان میں تورمان بہت لائق تھا اسلئے اسکی تمام اولاد تری کے نام سے مشہور ہے عہد قدیم میں قوم خٹک کوہ شوال میں آباد تھی یہ سلسلہ کوہ مغربی سلیمان کے سلسلوں میں سے ہے آج کل قوم وزیر اس علاقے پر قابض ہے خٹک قبیلہ قوم منگل اور ہنی کے ساتھ بنوں آیا تھا اور نہر سدر اوٗں اور اسکی اطراف کی زمین پر قابض ہو گئے تھے آج کل جس سرزمین پر قوم وزیر احمد زئی قابض ہے۔ یہاں پہلے قوم خٹک آباد تھی جب قوم منگل اور ہنی کو شیتکوں نے بنوں سے بے دخل کر دیا تو لا محالہ طور پر بنویان کی (اولاد شیتک) خٹکوں سے رقابت پیدا ہو گئی چنانچہ آئے دن جنگ وجدل سے تنگ اور مجبور ہو کر سرزمین سدر اوٗں چھوڑ کر خٹک قوم شمال اور مشرقی پہاڑ پر چلے گئے۔

لرہ غر، تیری، چونترہ، لاچی اور شکر درہ سے دریائے نیلاب تک کے علاقے پر قابض ہو کر یہاں مقیم ہوئے۔ کوہاٹ پر اورک زئی قبیلہ قابض تھا ان سے قبیلہ خٹک نے کوہاٹ چھین لیا۔ اس طرح بنگش اور خٹک کے مابین گدہ خیل اور لاچی کا درمیانی پہاڑی سرحد مقرر ہوئی رفتہ رفتہ خٹک قوم پھیلتی گئی اور جنوبی سرحد پختون خواہ کا بیشتر حصے پر قابض ہو گئے۔

"خٹک اور بنوں"

قبیلہ خٹک من حیث القوم وفا شعار، بردبار، تابعدار، منکسر المزاج، بااخلاق اور عبادت گزار ہے۔ اور تجارت پیشہ ہے ان میں اتفاق اور باہمی انصرام کا جذبہ موجزن ہے سادگی ان کا شیوہ ہے کفایت شعاری ان کا شعار ہے بنوں کی تجارت پر انکا قبضہ ہے یہ قوم بڑی ذہین ہے۔ میرا انکے بارے میں بطور ایک استاد ہونے کے تجربہ اور مشاہدہ وسیع اور دقیع ہے ۔ فطرت ان پر مہربان ہے۔ یہی فطرت کی طرف سے جزا ہے جو کسی قوم کو وصف کی بناپر عطا ہوتی ہے۔

؎ میں تم کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

یا

؎ فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
مگر کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

"انگریز کا مسلمانوں کے ساتھ ناروا سلوک"

بقول انگریز مورخ ولیم ہنٹر "دی انڈین مسلمانز" آج سے 170 سال پہلے ایک عالی نصب مسلمانوں کیلئے یہ نا ممکن تھا کہ وہ افلاس زدہ ہو یعنی غریب الحال ہو اور آج اسکے لئے ناممکن ہے کہ خوشحال رہے حکومت کا کوئی دفتر ایسا نہیں ہے جس میں مسلمان قلی یا چپڑاسی یا دفتری سے اوپر کسی عہدے کی توقع رکھ سکے حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے زیر نگین آیا تو مسلمان ایک برتر قوم تھی نہ صرف قلب و جسم کی برتری حاصل تھی بلکہ مظبوطی کے اعتبار سے بھی شعور تنظیم اور فن حکمرانی میں فوقیت رکھتی تھی لیکن آج مسلمانوں پر سرکاری اور غیر سرکاری پیشوں میں اعلیٰ حکام کے دروازے بند ہیں۔ یہ ہیں ایک حق گو مغربی مصنف کے تاثرات۔

آج بھی دیکھا جائے ایسے حق پرست اور حق پسند مخلوق کی کمی نہیں جو حق کو نہیں چھپاتے (امریکا)۔ عراق پر قابض بش اور ظالم ٹونی بلیئر جنگلی بھینس کی طرح حملے کی سوچ رہے ہیں ممکن ہے کہ کتاب ہذا شائع ہونے سے بیشتر ہی ان جنگی جنون رکھنے والے عفریت عراق کو تہس نہس کیا ہوگا صدام حسین کو قتل کرنے میں کامیاب ہوئے ہونگے۔

پورا یورپ بشمول امریکہ وہاں کے باسی سر تاپا احتجاج بنے ہوئے ہیں ۔ مگر امت مسلمہ احساس زیاں سے عاری اور اسلامی ریاستوں کے آمر حکمران شہباز ار مولہ کی لڑائی کا تماشہ دیکھنے میں محو ہیں۔ یا بازبازی اور زنان بازی سے دل بہلا رہے ہیں۔

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

صاحب مصنف مزید لکھتے ہیں

درحقیت مسلمانانِ ہند کو زندگی کے ہر شعبے میں نقصان پہنچایا گیا تعلیم پر ایسی کاری ضرب لگا دی گئی ۔ جو تاریخ کا خونین باب ہے ۔ مسلمانوں کی جائدادیں ضبط کرلی گئیں۔

ڈی سی باسو اپنی کتاب ''ہندو راج کے منصوبے'' کے صفحہ 101 پر یوں لکھتے ہیں کہ ایلینبرا گورنر جنرل 1892ء میں اس پالیسی کا آغاز کر چکا تھا اس کا حکم تھا ''ہندی مسلمانوں کو ہمیشہ نیچا دکھاتے رہو انہیں ہرگز ابھرنے نہ دو۔ کسی طرح بھی ان کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

وجہ : انگریزوں کو مسلمانوں کی طرف سے خوف تھا کیونکہ مسلمانوں ہی سے انگریزوں نے آزادی چھین لی تھی۔ جبکہ مسلمان فطرتاً آزاد طبع تھے۔ وہ کبھی بھی غلامی سے سمجھوتہ کرنے کے روادار نہیں ہو سکتے اسلئے انگریز نے چاہا۔ کہ مسلمانوں کو ذہنی، اخلاقی اور مالی لحاظ سے تباہ کر کے غلامی کا خوگر کر دیا جائے 1857ء کی جنگ آزادی نے انگریزوں کے اس خدشہ کی تصدیق کر دی۔

جنگ آزادی 1857ء کے بعد کیا ہوا۔

1857ء کی جنگ آزادی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ جدوجہد کا نتیجہ تھا ناکام ہوئی۔ یہ جنگ آزادی بہادر شاہ ظفر آخری مغلیہ تاجدار کی سرکردگی میں لڑی گئی تھی۔ 19 ستمبر 1857ء کو پوری دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور نہایت سفاکی سے دہلی میں قتل عام جاری رکھا۔

اسپنسر وال پول لکھتا ہے کہ

وحشی نادر نے بھی وہ لوٹ نہیں مچائی تھی۔ جو فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج نے جاری اور جائز رکھی۔ شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے اور پانچ پانچ یا چھ چھ آدمیوں کو روزانہ سزائے موت دی جاتی تھی۔ اسطرح 3000 تین ہزار آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔ جن میں 500 جیدّ علماء اور 29 شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کل 27 ہزار مسلمان قتل کیئے گئے۔ سات دن تک برابر قتل عام جاری رہا۔ یکم جنوری 1858ء بارہ سو علماء شہید ائے جبکہ 500 علماء کو پھانسی دیدی گئی۔

1. مرزا مغل 2. مرزا حضرت سلطان اور مرزا ابوبکر کے سر قلم کر کے بہادر شاہ ظفر کو تھالی میں بطورِ تحفہ پیش کیے گئے۔ بہادر شاہ نے کپڑا ہٹا کر دیکھا، مسکرائے، زہر خند کیساتھ بولے۔ تیموری خاندان کے بہادر اسطرح سُرخرو ہو کر باپ کے سامنے پیش ہوا کرتے ہیں۔ اور بعد میں بہادر شاہ ظفر کی آنکھیں نکلوائیں۔ اور اُنہیں رنگون بھیج دیا گیا۔ جہاں سات سال قید میں رہ کر وفات پائی۔ انگریزوں نے ہندوستان کی دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹا۔ 1857ء کے بعد برطانوی حکومت نے مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کیونکہ آج بھی اگر مسلمان آزاد ہیں تو اس کے ذہن اور مالی لحاظ سے غلام بنایا گیا ہے مسلمانوں کو مختلف حیلے اور حربے اور آئی ، ایم ، ایف ۔ ورلڈ بینک کے

وصیلے سے اپنا دست نگر بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں سے جذبہ جہاد کو جدا کرنے کیلئے دہشت گردی کا ایک نیا حربہ اور شوشہ اور بہانہ تراشا گیا ہے۔ گویا جہاد اور دہشت گردی ایک ہی سکے کے دو رُخ بتاتے ہیں۔ اور آج مسلمان بظاہر آزاد ہیں۔ پر حقیقت میں امریکہ کے غلام ہیں ہم مسلمان امریکہ کے مقروض اور ممنون ہیں۔ اب مسلمانوں کی زیست اور عزت کا اختیار امریکہ کے ہاتھ میں ہے حق حکمرانی بھی امریکہ کو تفوض کیا جا چکا ہے آج مسلمان بحثیت مجموعی بے حس، بے کس اور بے بس قوم ہے اور مسلمان مرثیہ گو بن گئے ہیں جو مر مٹنے اور رونے کا مقام ہے۔

جو ئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق

میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

یہ ستم ظریفی دیکھئے کہ عراق پر امریکہ حملہ کرنے والا ہے اس سے پہلے اقوام متحدہ کے معائنہ کاروں کے ذریعے نہتا اور غیر مسلح کیا گیا ہے۔ اور اب عراق پر حملہ کرنے کیلئے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت چین، جرمنی، فرانس اور روس عراق پر حملہ کے خلاف ہیں جبکہ بہت ساری اسلامی ممالک نے امریکیوں کیلئے مہربانی کا سہرا اُٹھایا۔ بعض نے ساتھ دینے کا اعلان بھی کیا ہے۔ یورپ میں لاکھوں کی تعداد میں احتجاج ہو رہا ہے۔ جبکہ اسلامی ممالک میں یہ تعداد سینکڑوں میں ہے۔ 15 فروری 03 کو دنیا کے 68 شہروں سے 1 کروڑ کے قریب احتجاجی جلوس نکالے گئے ہیں روم میں 3 ملین، لندن میں ڈیڑھ ملین۔ اور اسلامی ممالک مصلحت اور مایوسی کا شکار!

"تحریک ریشمی رومال"

آزادی حاصل کرنے کی خاطر شیخ الہند محمود الحسن نے دیگر علماء دیو بند کے اور بعض مخلص ہندو سرکردہ لیڈروں سے ملکر 1905ء میں ریشمی رومال کی تحریک شروع کی۔ جاپان، چین، برما، اور فرانس کی طرف وہ وفود روانہ کئے۔ اس تحریک کا مرکز کابل تھا۔ اور مختلف ممالک یعنی مدینہ، قسطنطنیہ، انقرہ، اور برلن وغیرہ ممالک میں شاخیں قائم کی گئیں بانی ممبران میں چیدہ چیدہ افراد یہ تھے ہندوؤں میں ہر دیال، مہندر پرتاب سنگھ اور مسلمانوں میں برکت اللہ عبید الہ سندھی قابل ذکر تھے۔ ہر دیال جرمنی گئے اور اسے امداد دینے کا وعدہ حاصل کیا۔

اسطرح ہندوستان میں ان سرگرمیوں کا مرکز دہلی تھا اور شاخیں سورت، پانی پت، لاہور، دین پور، امروٹ، کراچی، اتمان زئی اور ترنگزئی میں کھولی گئیں۔

ہیڈ کوارٹر میں 1 : الشیخ الہند، محمود الحسن، 2 : محمد علی جوہر، 3 : شوکت علی، 4 : عبید اللہ سندھی، 5 : ابو لکلام آزاد، 6 : مسٹر گاندھی، 7 : ڈاکٹر انعام اللہ، 8 : پنڈت موتی لال، 9 : لالہ چپت رائے وغیرہ اہم نام تھے۔ اس تحریک پر 10 سال تک خوب محنت کی گئی۔ ترکی اور جرمنی دونوں کو ہندوستان پر حملہ کیلئے تیار کیا گیا۔ ادھر عبید اللہ سندھی نے کابل میں امیر حبیب اللہ کو ایک معاہدہ ترکی سے کروایا۔ اس میں معاہدے کی ساری عبارت ایک رومال جو دو گز لمبا اور ایک گز چوڑا تھا۔ رنگ زرد تھا۔ پر درج تھی۔ ہندوستان پر حملہ کی تاریخ 19 فروری 1917ء درج تھی۔ کہتے ہیں یہ راز امیر حبیب اللہ نے فاش کیا۔ شیخ الہند کو مسٹر گاندھی موتی لال نہرو پر شبہ ہوا۔

حضرت مدنی لکھتے ہیں کہ مصر میں عدالتی کاروائی کے دوران ایک انگریز

افسر نے ایسے انکشافات کیئے کہ سوائے ان حضرات کا کسی اور کو علم نہ تھا مجھے ان سے اتفاق نہیں راز فاش ہونے میں مولانا عزیز گل کو بھی بتایا جاتا تھا جنکا ذکر آنے کو ہے بہر حال یہ تحریک ناکامی پر ختم ہوئی۔ اور شیخ الہند مدنی صاحب کو قید کر کے مالٹا پہنچایا گیا مولانا عزیز گل کاکا خیل بھی دوران اسیری میں مالٹا ہی میں رہے۔

مولانا عزیز گل کاکا خیل

مولانا عزیز گل قصبہ زیارت کاکا صاحب ضلع پشاور کے باسی تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند رحمت اللہ علیہ کے خادم خاص تھے۔ چنانچہ تحریک ریشمی رومال کے ابتداء ہی سے رکن رہے تھے اور نہایت اہم اور پر خطر کام انجام دیتے رہے صوبہ سرحد اور آزاد علاقہ (وزیرستان) میں سفارت کی خدمات انجام دیتے تھے۔ حاجی ترنگ زئی اور دیگر علماء اور خوانین کا اس تحریک کے ممبر بنانے میں کامیاب ہوئے وہ انہیں پیغامات پہنچاتے تھے۔ مولانا اور عبید اللہ سندھی سی آئی ڈی سے نظر بچا کر اپنا کام کرتے تھے۔ مولانا عزیز گل صاحب حضرت جی کے شیدائی تھے۔ لوگوں نے اسے توڑنے کی بے حد کوشش کی۔ مگر ناکام رہے مالٹا کی رسارت میں بھی حضرت جی کا ساتھ دیا۔ لوگوں نے ان کو سی آئی ڈی مشہور کیا آوازکیں حضرت جی کو ان کے خلاف بھڑکایا۔ اسے بد ظن کرنے کی کوشیش ہوئیں مگر سب بے سود حضرت جی مولانا پر اعتماد کرتے تھے وہ حضرت شیخ الہند کے رازدار اور خزانچی اور معتمد خاص تھے۔ حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد کافی عرصہ تک ان کے مکان ہی میں قیام کیا مالٹا میں جب انکی اہلیہ فوت ہوئی۔ تو حضرت جی کی بھانجی سے شادی کی۔ ان سے دو لڑکے ہوئے جب دوسری بیوی بھی رحلت کر گئی تو مولانا نے تیسری کا شادی ایک انگریز میم کے ساتھ کر کے بعد میں اپنے بال بچوں کے ساتھ پشاور چلے گئے۔

''غفار خان اور شیخ الہند محمود الحسن رحمت علیہ''

غفار خان صاحب کا ابتدا ہی سے پہلے حاجی ترنگزئی صاحب اور بعد میں شیخ الہند سے تعلق پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے بیعت بھی کر چکے تھے۔ انہوں نے ایک بار بڑے مجمع میں دارالعلوم دیوبند میں دوران تقریر میں بتایا کہ وہ حضرت جی کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے تھے۔ البتہ ملاقات اور جگہ کی اطلاع کسی شخص کے ذریعے زبانی کیا کرتا رہا اور عموماً دیوبند سے یا تو آگے یا دوسرے سٹیشن پر اتر لیتا تھا۔ اور پھر دونوں میں خفیہ ملاقات ہوتی تھی۔ حسب پروگرام واپسی ہو جاتی اور کسی کو علم نہ ہوتا۔ اسطرح کئی بار ہوا، معلوم ہوتا ہے۔ غفار خان، تحریک ریشمی رومال کے سلسلے میں شیخ الہند کے پیروکار تھے۔

حاجی ترنگزئی صاحب انکے پیش رو اور امام سیاست تھے۔ البتہ بعد میں جب حاجی ترنگ زی صاحب شہید کر دیئے گئے۔ تو غفار خان صاحب نے سر صاحب زادہ عبدالقیوم کے مشورہ پر کسی بڑے سیاسی دھارے کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور حالات اور واقعات کے تقاضے پر کانگریس میں شامل ہوئے۔

اٹک کے اس پار کے مصنف رام سرن نگینہ کے عبدالغفار خان عرف باچا خان کے بارے میں تاثرات۔

باچا خان جیل میں

27 اکتوبر 1942ء دوپہر مجھے کیسے بھول سکتی ہے۔ کڑکتی دوپہر، گرم ہوائیں اور جیل میں مکمل سناٹا تھا۔ اچانک ایک لمبا تڑنگا بزرگ نیالے رنگ کی پوشاک پہنے جیل سپاہیوں کی جھرمٹ میں. میرے احاطہ کے اندر داخل ہوا۔ بزرگ کی ٹھوڑی اور چہرے پر خون کے دھبے تھے۔ سفید داڑھی مٹی سے آلودہ تھی۔ بزرگ تھے یہ خان عبدالغفار خان ہیں۔ عظیم انسان ان تھک مجاہد اور بے لوث خدائی خدمتگار زندگی میں پہلی بار مجھے ان کے قریب ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ باچا خان کے ساتھ اڑھائی برس تک مجھے جیل کے ایک ہی احاطہ میں رہنے کا سنہری موقع ملا۔

میرے دل ودماغ پر جن ممتاز ہستیوں نے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ ان میں باچا خان کا نقش اس قدر گہرا ہے۔ کہ وہ نہ تو دھندلا سکتا ہے اور نہ مٹ سکتا ہے۔ جیل کی زندگی میں انکی سرگرمیاں قابل یادگار رہینگی۔ باچا خان کی وجہ سے ہی قیدیوں کو گیتا اور قرآن شریف کی پاکیزہ اُصولوں اور تعلیم سے روشناس کرایا گیا۔ امیر احمد خان قرآن کا درس فرماتے تھے۔ اور پنڈت شمعوناجی گیتا پڑھتے تھے۔

"جشن حلوہ"

جشن حلوہ کا پروگرام بھی باچا خان کی جیل سرگرمیوں کا ایک حصہ تھا۔ اتوار کی صبح کو کچھ سیاسی قیدی اور نظر بند ملکر جشن حلوہ مناتے تھے۔ اس دن اقبال کے ترانے ہندوستان ہمارا سے پروگرام شروع ہوتا تھا۔ ماسٹر عبدالکریم وسادھو سنگھ نور اور پنڈت شمو ناتھ اپنی سریلی آواز میں گیت گاتے تھے گیت کے بعد تقریریں ہوتی تھیں۔ سیاست کے نشیب وفراز پر بحث ومباحثہ ہوتا تھا۔ ہر آدمی بلا روک ٹوک اپنے دل کی بات کرڈالتا تھا۔ بسااوقات باچا خان سے بھی لوگ الجھ

پڑتے تھے۔ وہ خندہ پیشانی سے مرنبات کا تسلی بخش جواب دیتے تھے۔ اخر میں باچاخان اپنے ہاتھ سے حلوہ بانٹتے تھے۔ اسطرح باچاخان کی قیادت میں نظر بند قیدی کھیل کود میں بھی حصہ لیتے تھے۔ مولوی نصف جہاں آف ہوں ایک واقعہ بتاتے ہیں کہ جیل میں ایک بڑا تالاب ہوا کرتا تھا اور باچاخان دیگر ساتھی قیدیوں کے ساتھ تالاب میں نہاتے۔ چونکہ وہ بہت قد اور تھے۔ اسلئے ہم سب ملکر بھی اسے تالاب میں نہیں ڈبو سکتے اصول تھا۔ کہ ان کے پاس ایک ایک کر کے مقابلے کیلئے آیا کرے ہر بار ڈبکی ہماری قسمت میں ہوتی نصف جہاں کہتے ہیں۔

مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ مین نے دور سے ڈبکی لگائی اور نیچے پانی میں تیر کر باچاخان تک پہنچا۔ اور نیچے سے ٹانگ سے پکڑ کر خوب گھسیٹا وہ پانی میں گر پڑے اور ڈبکی لینے لگے تھے۔ میں نے بھی اسے ٹانگ سے دبائے رکھا۔ کافی دیر کے بعد چھوڑا۔ تو وہ آدھ موا اور بیہوش ہو گئے تھے جب ہوش میں آیا تو اس کا غصہ فرو ہو چکا تھا شکایت تک نہ کی وہ محبت کی زبان جانتا تھا۔

''ترانہ ہندی''

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اسکی یہ گلستان ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
ہے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد مجھ کو
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہموطن ہیں ہندوستان ہمارا
یونان و مصر روما سب مٹ گئے جہاں سے
ابتک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا
اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہان میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کا سماجی اور معاشی صورت حال۔

یہاں ہندوستان میں مسلمان اور ہندوؤں میں مکمل یک جہتی مذہبی رواداری اور ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ تعصب، مذہبی جنون اور فرقہ واریت کے نام سے یہاں کے باسی بے گانہ تھے ہندو مسلمان ایک دوسرے مذہبی تہواروں اور تقاریب میں بہم شیر و شکر ہو کر حصہ لیتے تھے ایکدوسرے کے غمی و شادی میں شرکت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اسوقت تک جاری رہا۔ جب انگریز ہندوستان کا حکمران بنا۔ 1857ء کی جنگ آزادی اور تحریک ریشمی رومال اور اسطرح دیگر آزادی کی تحریکوں میں ہندوستان بغیر کسی تمیز و تفریق کے مشترکہ حصہ لیتے رہے۔ مگر انگریز کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا۔ تقسیم کر کے۔ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل پیرا ہوا۔ مزید ہندوؤں اور مسلمانوں کو علمی، معاشی پستی سے دو چار کر دیا گیا۔ اور خاص طور پر مسلمان انگریز کا نشانہ بنا۔ اور اپنے اس مقصد کے لئے کہ نو آبادیاتی نظام کو دوام حاصل ہو اور خاص منصوبہ بندی کی گئی۔

انگریز اس پالیسی پر گامزن رہا۔ کہ ہندوستانیوں کی ذہانت بالکل تباہ کر دی جائے۔ اور ان میں علمی بیداری کے سوتے خشک کیے جائیں۔ اقبال نے اس امر کی طرف توجہ دلائی۔ کہ حکومت اور آزادی کے چھین جانے سے اتنا دکھ نہیں ہوا۔ جتنا دکھ مجھے اس بات کا ہوا۔ کہ مسلمانوں کا علمی سرمایہ انگلستان منتقل کیا گیا۔ اسطرح ماضی اور حال موجوہ نسل اور اسکے اسلاف میں فاصلہ اور خلا پیدا ہو گیا۔

انگریز کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے۔ کہ ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنا لیتا ہے۔ نہایت نرم اور خوش آئند الفاظ بول کر دھوکہ دینا اور سیدھے سادے

لوگوں پر قبضہ کرنا انکے بائیں ہاتھ کا کھیل رہا ہے۔ ایشیائی اور افریقی اقوام ان کے اس دام فریب میں گرفتار ہو کر ہمیشہ نقصان اٹھاتی رہی ہیں۔

''امریکہ اشتراکیت اور اب مسلمان''

خاص طور پر جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ نے اشتراکیت کا راستہ روکنا چاہا کیونکہ کمیونسٹ نظام ان کے معاشی اور سیاسی مفادات کیلئے نقصان دہ تھا۔ چنانچہ پہلا ہدف شمالی کوریا ہوا۔ اس خونی جنگ میں واشنگٹن نے کمیونسٹ دنیا پر ایٹمی حملہ کی دھمکی دیدی۔ یہ جنگ (1950-1953) تین سال تک جاری رہی۔ جسمیں تین ملین کورین اور 36934 امریکی فوجی مارے گئے جبکہ چین کے بھی ایک ملین فوجی مارے گئے۔

امریکہ نے ویت نام کی جنگ شروع کر دی (1961to70) جس کا مقصد کمیونزم کو نقصان پہنچانا تھا مگر امریکہ کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس جنگ میں لاکھوں ویت نا؟ مارے گئے۔ روس پر 1969 میں بمباری کی گئی 1970 میں کمبوڈیا پر حملہ کیا گیا یہاں بھی چین میں کمیونسٹ کو نقصان پہنچانا تھا۔ جنوبی کوریا میں 8 لاکھ افراد ہلاک ہو۔ امریکہ کو بھی نقصان اُٹھانا پڑا تھا اس کے 58 ہزار جوان قتل ہوئے اور تین لاکھ زخمی ہوئے 1960 کیوبا، 1965 پیرو، 1983 گرے نیڈا، 1988 میں ایل سلواڈور، 1980 نکاراگوا، 1980 ہی پر پانامہ 1989 میں کاسترو کو ہٹانے کی کوشش میں امریکہ کو ناکامی ہوئی۔ 1979ء میں جب روس تحلیل ہوا تو امریکہ کی نظر کرم مسلمانوں پر پڑی اور تب سے امریکہ کی کرامات جاری ہیں۔

سکارنو بھی امریکہ کیلئے ایک چلینج تھا اردن کے بن ہیلا کو حکومت سے الگ کر دیا گیا۔ سکارنو کو سی۔ آئی۔ اے کے ذریعے 1969 میں برطرف کر کے خون کی ندیاں بہادی گئیں۔ سمندر کو خون سے سرخ کر دیا گیا۔ 10 لاکھ لوگ بے گھر ہوئے 1986

میں لیبیا پر بمباری کی گئی کرنل قذافی بال بال بچے۔ مگر انہیں عبرت دلائی گئی۔ قذافی امریکہ کی آنکھ کا کانٹا تھا جبکہ اسرائیل کو بھی اسے خطرہ تھا۔ امریکہ نے عراق کو ایران پر حملے کیلئے اکسایا 88-1980 سات سال تک بے سود جنگ رہی۔ صدام حسین نے ایران سے صلح کرلی ورتب سے وہ امریکہ کا دشمن نمبر 1 بن گیا۔ ورنہ دوران جنگ امریکہ برابر کیمیائی ہتھیار عراق کو مہیا کرتا رہا۔ اور جس کا ایران پر بے دریغ استعمال بھی کیا گیا۔ امریکہ کا دوسرا نشانہ افغانستان میں طالبان حکومت تھی۔ اس کا بھی حشر نشر کر دیا گیا۔ اب عراق کی باری آئی ہے۔ چند دنوں یعنی مارچ 1903 تک صدام حسین کو اپنے انجام تک پہنچایا جانا ہے۔ اس کے بعد کس کی باری آتی ہے۔ شام، ایران، اور پاکستان منصوبہ بندی کا حصہ ہو سکتے ہیں۔ شام، ایران میں تیل ہے۔ جبکہ پاکستان نیو کلئیر پاور کا خاوند ہے۔ اور اسلامی ملک بھی ہے۔ ترکی اور سعودیہ سے اسرائیل کو کوئی خطرہ نہیں۔ مصر، اسرائیل کو تسلیم کر چکا ہے۔ اور اردن، بحرین، قطر کس حساب میں نہیں۔ اسلامی ممالک اور خاص طور پر عرب اسلامی حکمرانوں کی بے حسی بھی دیدنی ہے۔ وہ امریکہ کے ہاتھوں عراق کا جو حشر و نشر ہونیوالا ہے۔ عرب اسلامی حکمران شہباز اور ممولے کا تماشہ کر رہے ہیں۔ مزید وہ زن بازی اور بازبازی کے شغل سے فارغ ہی نہیں۔ ان کے لئے ہر روز، روز عید اور ہر شب، شب برات ہے۔

؎ باقی نہ رہا تیرا وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ پیری ملائی امیری

نوٹ: زیر نظر تبصرہ امریکہ کا عراق پر حملہ کرنے سے قبل کیا گیا۔ جبکہ کتاب ہذا زیر تالیف تھا۔ جب کتاب اختتام ہونے کو تھا۔ تو اسوقت عراق کا تیا پانچہ ہو چکا تھا۔ اور عراق کا سقوط ہو اتھا۔ تقابلی جائزہ کیلئے کتاب میں شامل مواد خالی از عبرت نہیں۔ امریکہ بہادر ۱۹ مارچ ۲۰۰۳ء تاریخ ۹ اپریل ۲۰۰۳ء) کے تناظر میں۔

''سوار اشہبِ دوران''

امریکہ دعوے کر سکتا ہے زماں و مکاں کا زمام کار اور اختیار اس کے قبضہ قدرت میں ہے آج اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل اداب کورنش کی حالت میں امریکہ کے سامنے سرنگوں، مطیع اور فرمانبردار ہے۔ عراقی مسلمان خوار وزبوں صحرا صحرا وحشت سے دوچار ہیں۔ وہ دریا دریا روتے ہیں نایار غمگسار رکھتے ہیں وہ وقت کے عفریت (امریکہ) کی بربریت کا صید زبون ہیں۔

ماضی میں بھی مغربی استعمار کے ہاتھوں۔ لارنس آف عربیہ کے ذریعے خلافت ترکیہ کا خاتمہ کر کے عرب دنیا کو 13 نجروں میں تقسیم کر کے آمریت کے ہاتھوں رہن کرادیا گیا جہاں شیوخ اور شہنشاہ، روز شہباز اور ممولے کی شکار اور شغل سے دل بہلارہے ہیں لونڈیوں اور کنیزوں کی موج در موج کے خاوند ہیں۔ اور عیش کوشی میں مستعد ہیں ان شیخان وقت نے اپنے مادی وسائل امریکہ کو ہبہ کرائے ہیں۔ امریکہ کو اقتصادی بام عروج پر پہنچانے کے یہی سلاطین عرب ذمہ دار ہیں جو ہر شب کو شب برات اور ہر دن کو روز عید سمجھتے ہیں۔

عرب میں عراق ہی ایک ایسا ملک تھا۔ جو امریکہ اور اسرائیل کے قلب میں کانٹے کیطرح کھٹکتا تھا۔

سقوط بغداد ایک عظیم سانحہ اور المیہ ہے۔ جو امریکہ کے ہاتھوں 9 مارچ 03ء کو وقوع پذیر ہوا۔ سانحہ کربلا کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اب مسلمان عالم دبن مارچ 10 ,9 کے درمیان شب کو ہر سال یوم عاشورہ کی طرح اور طور منائیں گے۔

عراق پر حملہ کی اصل وجہ۔

اسرائیل کو عراق سے خطرہ تھا عراق میں تیل کے بہت بڑے ذخائر ہیں۔

3:۔ عراق جو جوہری طاقت نہیں تھا۔

''امریکہ کی بہانہ بازی''

عراق غیر جمہوری ملک ہے۔ جو بڑی طاقت بن رہا ہے جو کیمیائی ہتھیار رکھنے کی استعداد رکھتا ہے۔ مزے کی بات ہے امریکہ نے اکثر پیشتر ان ممالک کی سرپرستی کی ہے جو آمر مطلق ہیں مثلاً اردون، سعودیہ، بحرین، قطر، دوبئی، مصر، اور کویت وغیرہ۔

اسرائیل جوہری طاقت رکھتا ہے شمالی کیوریا تسلیم کرتا ہے کہ وہ ایٹمی ہتھیار کی صلاحیت حاصل کر چکا ہے۔

چین، روس، فرانس، برطانیہ اور امریکہ کے پاس جوہری صلاحیت موجود ہے مگر وہ C. T. B. T پر دستخط کرنے کے پابند نہیں بھارت بھی ہبانگ دہل اقرار کر چکا ہے مگر دباؤ صرف اور صرف پاکستان پر پڑ رہا ہے۔

بقول اقبال!

؎ بجلی گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

عراق کے بارے میں مہلک ہتھیاروں کی موجودگی کا صرف برہنہ بہانہ تھا۔ وہ نہ کسی بھی مرحلہ پر امریکہ کو یہ ثبوت نہ تو اقوام متحدہ کے مقرر کردہ معائنہ کاروں کے ذریعے اور نہ خود سقوط عراق کے دوران ملا۔

بہانہ بازی کا یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ شام، ایران اور پاکستان امریکہ کیلئے تر نوالے بن سکتے ہیں۔ ہر ملک کو اپنی باری کا انتظار کرنا چاہئے۔ چین کیلئے بھارت کو تیار کیا جا رہا ہے۔ چین بھی امریکہ کے اہداف میں شامل ہے۔

نوٹ: ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ صدام حسین کو تکریت ان کے آبائی شہر میں ایک تہہ خانے سے 13 دسمبر 2003ء کو گرفتار کر لیا گیا اور C.I.A کے حوالے کر کے قطر منتقل کر دیا گیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!۔

''نیو ورلڈ آرڈر کا مفہوم''

امریکہ کو جہاں جہاں نیو ورلڈ آرڈر کا مفہوم خطرے اور تیل کی بو آئے۔ وہ اس ملک کو ختم کر کے اس کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں پر اب یہ حقیقت اشکارہ ہونی چاہیے۔ کہ امریکہ کو لگام دینے کے لئے روس کا وجود کتنا ضروری تھا۔

''مداوائے وقت''

حالات کا تقاضا ہے کہ عالم اسلام ہوش کے ناخن لے احساس زیاں کرے، اپنی ساری توانائیاں یکجا کرے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرے۔ اور فوری طور پر ایک مؤثر اور فعال اسلامی بلاک کو تشکیل دیکر عالمی سیاست میں بھرپور حصہ لے۔ یورپی یونین خاص طور پر جرمنی، فرانس، روس سے روابط مضبوط بنائے۔ ایک نیا جینوا وجود میں لائے۔ جس کے بانی ممبر میں چین، روس، فرانس، جرمنی اور اسلامی بلاک کے جملہ ممبران ہوں تب جاکر امریکہ اور برطانیہ کے یلغار کے سامنے سد سکندری ثابت ہوسکتے ہیں، ورنہ دیکھائی دیتا ہے، کہ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

''مرد کہستانی/بندہ صحرائی''

جس خطے میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ اسکی تاریخی اہمیت مسلم ہے۔ مورخین نے ایشیاء کے اس حصے کو قدیم اقوام کی گزرگاہ کہا ہے۔ یہاں کے باسی بلند ہمتی، محنت کش اور ایسی ہی کئی مردانہ صفات کے حامل ہیں۔ اس قوم کو کبھی بھی کسی نے مکمل طور پر زیر نہیں کیا۔ البتہ استحصالی قوتوں نے انکی غیر معمولی قوت، ہمت اور جفاکشی سے استفادہ کیا۔ جب مطلب پورا ہوا۔ تو لیٹرا، رہزن اور وحشی جیسے الفاظ، خطابات کا تمغہ اس کے گلے میں

ڈالا یا گیا۔ مگر غداروں کو غیرت دار کہہ کر انہیں خان بہادر، خان صاحب، نواب اور رئیس جیسے امتیازی القابات دیے۔ زندہ مثال افغانستان کا المیہ ہے۔ کل وہی طالبان جو مجاہد کہلائے جاتے تھے۔ آج دہشت گرد ہوئے۔

فطرت کے مقاصد کا کرتا ہے نگہبانی

یا بندہ صحرائی یا مردِ کہتانی

امریکہ اور برطانیہ نے مرد کہتائی کو زیر کر کے وہاں اپنے مرضی کی حکومت قائم کردی۔ طالبان کو تہس نہس کر دیا گیا۔ اب بندہ صحرائی کی باری آئی ہے۔ القائدہ کے دہشت گردی کے نام سے تعاقب کیا جارہا ہے۔ عراق سے اسرائیل کو خدشہ اور خطرہ لاحق تھا۔ 11 اکتوبر 2001ء کا ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون کا ڈرامہ رچا کر نیو ورلڈ آرڈر کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز افغانستان اور عراق سے کر دیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کو پتھر کے زمانے سے ایک بار پھر روشناس کر دیا جائے۔ اس کا زندہ مثال افغانستان اور بغداد کا المیہ ہے۔

”دردناک صورت حال“

افغانستان پر روس نے 1979ء میں یلغار کیا۔ امریکہ نے اس یلغار کو روکنے کے لئے افغانوں کو استعمال کیا۔

جنرل حمید گل اور جنرل بابر کی معاونت اور رہنمائی سے طالبان کو منظم اور مسلح کر کے جذبہ جہاد کے طفیل روس کے خلاف صف آرا کیا۔ روس کی شکست و ریخت افغانوں کے ہاتھوں صورت پذیر ہوئی۔ روس تحلیل ہوا۔ کیمونسٹ اور اشتراکیت کی قوت منہدم ہوگئی۔ اس طرف سے خطرہ ٹل گیا۔ اب اسلام کی طرف امریکہ بہادر متوجہ ہوا۔ مسلمان ریاستوں کی درجہ بندی کر کے انہیں بتدریج کمزور بنانے اور ختم کرنے کی منصوبہ [illegible] اب امریکہ کا پہلا ہدف افغانستان میں طالبان تھا۔ طالبان کا دڑان تختہ

کرنے کے لئے پاکستان کو آلہ کار بنایا۔ افغانستان کے بعد عراق کی باری آئی ہے۔ تاکہ وہاں تیل کی ترسیل پر قابض ہو جائے۔ مزید اسرائیل کے لئے حالات اور ماحول ہموار اور سازگار ہو۔ عراق اسرائیل کیلئے خطرہ اور خدشہ سمجھا جاتا ہے۔ اور انکے آنکھوں کا کانٹا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے۔ کہ علاوہ بشمول برطانیہ مشرق وسطی کے وسائل پر قابض ہو کر مسلمانوں کو اپنا دستِ نگر بنائے۔

عراق سے فارغ ہو کر امریکہ کے ترجیحات میں شام، ایران، سوڈان اور لیبیا شامل ہیں۔ پاکستان بھی قابل التفات ہو سکتا ہے۔ چونکہ پاکستان بڑی اسلامی ریاست ہونے کے باوصف نیوکلیر طاقت بھی بن چکا ہے۔ اس کا حشر نشر کرنا ضروری ہے۔ سعودی عرب بھی منتظر فردا ہے۔ کیونکہ وہاں بھی تیل کی کنویں ہیں۔

نوٹ :۔ جب یہ سطور لکھے جارہے تھے۔ امریکہ بشمول برطانیہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ عراق پر مارچ 19 میں حملہ آور ہوا۔

''نوائے سرد ش''

ہر آدمی انسان نہیں ہوتا

ہر مرد مردِ میدان نہیں ہوتا

ہر ہاتھ ید بیضا نہیں ہوتا

ہر عصا عصائے موسیٰ نہیں ہوتا

ہر دل، دلِ نادان نہیں ہوتا

ہر دیدہ، دیدہ جاناں نہیں ہوتا

ہر زلف، زلفِ جاناں نہیں ہوتا

ہر یوسف، یوسف کنعاں نہیں ہوتا

ہر چمن، چمن زعفران نہیں ہوتا

ہر چشم، چشم حیواں نہیں ہوتا

ہر لعل، لعلِ بدخشاں نہیں ہوتا

ہر سوار، سوارِ یشہب دوران نہیں ہوتا

ہر شیر، شیر یزداں نہیں ہوتا

ہر شمشیر، شمیشیر براں نہیں ہوتا

ہر زخم، گل خنداں نہیں ہوتا۔

ہر شام، شام غریباں نہیں ہوتا

ہر شب، شب ہجراں نہیں

ہر سانس دمِ عیسیٰ نہیں ہوتا

ایک شعر ۔ ایک حقیقت

مت سہل ہمیں جانو پھر تا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

”مسلمانوں کی سادگی“

مسلمان نادان دوست اور چالاک دشمن کے ہاتھوں زک اٹھاتا رہا ہے۔ جنگ آزادی کے صف اول کا جانباز سپاہی مولانا محمد علی جوہر لندن گول میز کانفرنس میں بغرض شرکت لندن تشریف لے گئے ۔ وہاں جوش خطابت کے دوران کہا۔ میں آزادی کا پروانہ حاصل کئے بغیر ہندوستان خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔ بصورت دیگر آپ لوگوں (حکمران انگریز) کو مجھے دو گز زمین دینا ہوگی انگریز کو معقول بہانہ اور حربہ ہاتھ لگا۔

مولانا محمد علی جوہر کو زہر پلوایا گیا مرحوم ہوئے۔ ان کا جسد خاکی فلسطین پہنچایا گیا۔ کیونکہ فلسطین انگریزی مقبوضات میں شامل تھا مغربی میڈیا نے لکھا ہے کہ مولانا صاحب کی دعا قبول ہوئی خدا نے مولانا کو اپنے پاس بلا لیا ہندوستان کے مسلمان خوش ہوئے انگریز بھی خوش ہوئے کہ ان سے گلوخاصی ہوئی۔

؎اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا !

پاکستان عجوبہ اضداد سے عبارت ہے۔

آزادی ملی۔ پاکستان معرض وجود میں آیا اسے ملک خداد کہلایا گیا۔ کیونکہ آزادی کا مجاہد ایک دن کیلئے بھی جیل نہیں گیا۔ نہ کسی کی جائیداد ضبط کی گئی۔ نہ کسی کو مارا پیٹا گیا نہ کسی کا ہاتھ ٹوٹا۔ نہ پاؤں۔ اور نہ آنکھ پھوٹی نہ کسی کو جبر وقہر کا نشانہ بنادیا گیا۔ کہتے ہیں۔ قائداعظم ایک وکیل اور قانونی شخص تھے۔ اسلئے نہ خود جیل جانا پسند کیا نہ کسی مسلم لیگی کو جیل جانے کی ترغیب دلائی کہنے والے کہتے ہیں کوئی بھی خوشی اپنی مرضی سے جیل کی کالی کوٹھری میں نہیں جاتا۔ بلکہ انگیریز بہادر آزادی کے متوالوں کو جیل میں بند کر دیتا تھا۔ وہاں انہیں تشدد کا نشانہ بنادیا جاتا ان کے گھربار جلا دیئے جاتے نوکیلی کرسیوں پر بٹھا کر انہیں اذیت دی جاتی۔

ے منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

کہا جاتا ہے۔ پاکستان کسی کی خواب کی تعبیر ہے اگر ایسا ہو جائے تو کشمیر و فلسطین کیلئے بھی کوئی صاحب دانش خواب دیکھے۔

ے خریدیں نہ جسکو ہم اپنے لہو سے

مسلمان کو ہے ننگ وبادشاہی

پاکستان کے وجود آنے کے بعد بھی پورے نو سال تک بغیر آئین کے رہا پاکستان سرزمین بے آئین تھا۔ جب دستور ساز اسمبلی کو توڑا گیا۔ اور اسے تحلیل کیا گیا۔ تب جا کر ایک بیوروکریٹ محمد علی چودھری نے 1956ء میں آئین بنا دیا ہم اتنے سادہ ہیں کہ اسے بھی قبول کیا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی آئین تھا۔ کیا ہوا۔ اگر جمہوری نہ تھا۔

"سادگی اور معصومیت کی انتہا ہے"

کیونکہ خود پاکستان کا وجود جمہوریت کا مرہون منت ہے، طرفہ تماشہ۔ پاکستان کا یہ دستور دستور ساز اسمبلی کے بغیر بنا تھا۔

1973ء میں پہلی بار متفقہ اسلامی اور جمہوری آئین پاکستان کو ملا۔ بار بار مارشل لاء اور طالع آزما کا راستہ روکنے کیلئے اسی دستور کے شق نمبر 6 میں یہ درج ہے۔ کہ آئندہ اگر کسی طالع آزما نے پاکستانی آئین کو توڑا یا مروڑا۔ تو اسکی سزا موت ہوگی۔ دستور گیارہ سال تک معطل رکھا گیا۔ دستور بنانے والا اور شق نمبر 6 کا خاوند خود دستور دہٹانے کے بھینٹ چڑھا اور اسے پھانسی دیدی گئی۔ تاکہ آئندہ کیلئے سامان عبرت رہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔

ایک دفعہ اسی آمر نے کہا تھا اگر چٹکی بجا دوں تو یہ سیاست کار دم ہلاتے ہوئے میرے ارد گرد جمع ہو جائیں گے۔ اس حکم کو سننے کے باوجود ہمارے سیاست مدار خاموش اور خوش تھے۔

سوائے تسلیم وفا و بداحال وفا

جانتا ہے ہمیں طاقت گفتار نہیں

"لیاقت علی خان کی شہادت"

تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ ایک جلسہ عام میں پنڈی میں سید اکبر نامی افغان مہاجر نے لیاقت علی خان کو شہید کر ڈالا۔

مجھے میرے ایک واقف کار سابقہ ڈی ایس پی جن کا نام عبدالرحمٰن تھا بتایا کہ ان دنوں وہ ایبٹ آباد میں تعینات تھے اور اسے حکم تھا۔ کہ سید اکبر کو جلسہ میں شرکت کیلئے لایا جائے۔ مگر سید اکبر اس پر راضی نہ ہوئے کہا آخر اسے کیا پڑی ہے کہ جلسے میں شرکت کرے مگر اسے بزور جلسہ گاہ پہنچایا گیا۔ اُسے مختص نشست پر بٹھادیا گیا وہ اپنے ساتھ تین سالہ بیٹے کو بھی لایا تھا۔

فائرنگ کی اواز سنائی دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ لیاقت علی خان شہید کرائے گئے سید اکبر کو بھی ہلاک کر دیا گیا ہے گویا اسے قتل گاہ میں لایا گیا تھا جبکہ دو دوسرے پولیس اہلکار بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ یہ ہے لیاقت علی کان کی شہادت کی کہانی تاریخ کی زبانی۔

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں

جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

''سید اکبر کی بیوہ''

پولیس افسر موصوف نے مزید بتایا کہ وہ ایک دن دفتر میں بیٹھا تھا ایک خاتون آئی اور ایک درخواست لا کر دی۔ یہ خاتون سید اکبر کی بیوہ تھی۔ وہ دوسرے خاوند کے ساتھ شادی کرنے کیلئے سرکاری اجازت نامہ چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ افغان مہاجر تھی اور پنجاب نژاد پاکستانی کے ساتھ شادی کرنے کی خواہشمند تھی۔ جن کے لئے اجازت لینی ضروری تھا۔ میں نے درخواست دیکھتے ہی اُسے برا بھلا کہا کہ اتنی جلدی۔ وہ رو پڑی، کہا میں تنہائی میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں چانچہ ایسا ہی ہوا بیوہ خاتون نے کہا۔ کہ دوران تفتیش جس جس تھانہ میں وہ جاتی وہاں کا ایس ایچ او انچارج تھانہ اس سے زیادتی کرتا رہا اب میں امید سے ہوں میں یہ گناہ کیسے چھپاؤں اور کس کے سر تھونپ دوں۔ یہ ماجرا میں نے سنا تو۔۔۔اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

''پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ''

قیام پاکستان کے دوران قادیان نے بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کیا۔ لہذا گورداسپور اور کلانور کے اضلاع بھارت کا حصہ بنے بھارت کو کشمیر جانے کا راستہ ملا جب پاکستان بن گیا تو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ بنا۔ یہ وہ قادیانیوں کا پیرومرشد تھا اسے اس کارِ خیر کا صلہ دیا گیا۔ اور جب ذوالفقار علی نے قادیانوں کو کافر بتایا۔ تو من جملہ دیگر غلطیوں کے اس غلطی کے پاداش میں انہیں پھانسی دیدی گئی۔ اور پاکستان خاموش رہا اور سیاستدان خوش ہوئے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

پاکستان کا وجود جمہوریت کا مرہون منت ہے، مگر قیام پاکستان سے لیکر آج تک بیشتر عرصے کے لئے پاکستان عسکری قیادت کے زیر اثر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد

قوموں کے صف میں پاکستان اپنا جائز مقام حاصل کرنے سے قاصر رہا۔

''کشمیر کا مسئلہ''

کشمیر نہرو کے لئے درد سر بن چکا تھا۔ ابوالکلام آزاد وغیرہ جیسے لیڈر چاہتے تھے کہ کسطرح کشمیر کا قضیہ ختم ہو، حوالہ نقش آزاد بھارت نے پاکستان کو بار بار لکھا۔ مگر پاکستان کی طرف سے مثبت رد عمل نہ ملنے کی وجہ سے بآمر مجبوری نہرو کو کشمیر کا مقدمہ مسئلہ اقوام متحدہ میں لے جانا پڑا۔

روس نے پاکستان کو دعوت دی مگر لیاقت علی خان نے امریکہ کو ترجیح دی اور وہاں دورے پر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصے بعد نیٹو اور سینٹو جیسے فوجی معاہدے میں پاکستان کو پھانسا دیا گیا۔

اب روس کو فکر دامنگیر ہوئی۔ اگر کشمیر پاکستان کا حصہ بنا تو یہاں امریکہ روس کے خلاف اپنا Base بنا دے گا۔ یاد رہے مذکورہ معاہدے روس کمیونسٹ مخالف معاہدے تھے۔ روس اس کے بعد متعدد بار اقوام متحدہ میں کشمیر کے مسئلہ پر اپنا ویٹو استعمال کرتا رہا۔

نوٹ کشمیر کا مسئلہ ہم نے نہیں، بھارت اقوام متحدہ میں لے گیا۔

''چیف جسٹس اور چیف آف آرمی سٹاف''

ایک موقع پر کسی غیر ذمہ دارانہ بیان کے سلسلے میں ایک سابقہ چیف آف آرمی سٹاف کو عدالت عالیہ میں بلایا گیا۔ وہاں چیف جسٹس کے یہ ریمارکس ریکارڈ پر ہیں۔ کہ کتنی بد نصیبی کی بات ہے۔ کہ آپ جیسے شخص کو آرمی چیف بنا دیا گیا۔

''بے نظیر اور نواز شریف کی بر طرفی''

صدر غلام اسحاق نے ایک دفعہ بے نظیر کی حکومت دوسری بار نواز شریف کی حکومت بر طرف کر دی۔

بے نظیر کی حکومت بحال نہ ہو سکی پر اسی چیف جسٹس نے نواز شریف کی حکومت بحال کر دی۔ ان الفاظ کے ساتھ اگر سو بار بھی نواز کی حکومت بر طرف کر دیجائے تو وہ ہر بار اُسے بحال کر تا رہے گا۔ یہ الفاظ ایک چیف جسٹس کی ہیں یہ کوتاہ قد تو تھا ہی، کوتاہ فکر بھی ثابت ہوا۔

پاکستان اپنے زعم میں یعنی پاکستان اپنی خوش فہمی میں تھا۔ کہ امریکہ اس کا دوست ہے۔ پاکستان ہر گھڑی امریکہ کیلئے مستعد یا فرمانبرداری کا بھرم بر تارہا۔ جب آزمائش کی گھڑی آئی تو امریکہ بے اعتنائی پر اتر آیا۔ امریکہ دوستی کا حق پہلے سے زر کی صورت میں ادا کر چکا ہوتا ہے۔ وہ حق نمک کا بدلہ ہم پاکستان سے چاہتا ہے۔ یہ دوستی یک طرف ہوتی ہے۔

ضیاء الحق بھی اسی غلط فہمی کی شکار ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک موقع پر امریکہ کی طرف سے مالی معاونت جو انہیں بہت کم دکھائی دینے لگی تھی۔ کہا یہ تو مونگ پھلی اور اونٹ کے منہ میں زیرا کی برابر ہے۔ یہ الفاظ ضیاء الحق کے حلق میں کانٹابن کر الجھ گئے اور پھر ضیا الحق صاحب بہت جلد پاکستان کو داغ مفارقت دے گئے۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا انجام بھی وجہ عبرت ہے۔

صوبہ سرحد

صوبہ سرحد کا اپنا تشخص اسکے نام سے وابستہ ہے۔ بد قسمتی سے صوبہ سرحد ہی ایسی جگہ و مقام ہے جس کا اپنا نام نہیں، مختلف اوقات میں صوبہ سرحد کیلئے مختلف نام تجویز کئے جا چکے ہیں۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ صوبہ سرحد کا موجودہ نام اس صوبہ کو اپنا تشخص ظاہر کرنے سے قاصر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ صوبہ کو سیاسی تعصب اور وابستگی سے بالاتر ہو کر تاریخی، ثقافتی اور جغرافیائی حقائق کی روشنی میں اسے اپنا نام اور تشخص دیا جائے۔

اب تک صوبہ سرحد کیلئے جو نام تجویز کئے جا چکے ہیں۔ یا کئے جارہے ہیں۔ یا کئے جاسکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ گندھارا، اباسین، خیبر، پختونستان اور پختونخواہ مندرجہ بالا ناموں کو موضوع بحث بنانے سے پہلے صوبہ سرحد کا پس منظر بتانا ضروری ہے۔ لارڈ ڈیورنڈ نے امیر افغانستان امیر حبیب اللہ کے چند مندوبین کی مدد سے افغانستان اور مقبوضہ انڈیا کے درمیان حدِ فاصل کھینچا۔ جسے ڈیورنڈ لائن کا نام دیا گیا۔ پھر 1901ء میں انتظامی ضرورت کے پیش نظر لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے پنجاب سے 5 پانچ اضلاع کو الگ کر کے انہیں ایک الگ یونٹ بنا کر اسے شمال مغربی سرحدی صوبے کا نام دیا گیا۔ ابھی پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا۔ کہ خان عبدالغفار خان المعروف باچا خان جون 1947ء میں بنوں تشریف لائے اور سوکڑی ضابطہ خان میں چند ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کر کے ایک قرارداد کے ذریعے صوبہ سرحد کا نام پختونستان تجویز کیا گیا۔

ان دنوں افغانستان نے بھی صوبہ سرحد کو پختونستان کہنا شروع کر رکھا تھا۔ جب پاکستان 14 اگست 1947ء میں معرض وجود میں آیا۔ تو افغانستان کے اس مطالبہ میں زیادہ شدت آگئی۔ اور صوبہ سرحد پر اپنا دعوے جتانے لگا۔ کہ صوبہ سرحد افغانستان کا حصہ ہے اور یہ کہ انگریزوں نے بزور سرحد کو افغانستان سے الگ کیا۔ اور یہ کہ سرحد

میں افغان بستے ہیں۔ ان پر ان کا جائز حق بنتا ہے۔ مزید افغانستان نے یہ پروپیگنڈہ بھی شروع کر دیا کہ وہ ڈیورنڈ لائن کو نہیں مانتے۔

ادھر خدائی خدمتگار تحریک کے بانی باچا خان نے بھی اپنے مطالبے میں شدت پیدا کر دی۔

پاکستان کو خدشہ لاحق ہوا ہو سکتا ہے آئندہ کسی بھی وقت باچا خان صوبہ سرحد کو خود مختار صوبہ بنانے کیلئے مہم شروع نہ کر دے۔ چنانچہ پاکستان نے سرحد میں ریفرنڈم کر دیا جسکا باچا خان اور ان کے پارٹی نے بائیکاٹ کر دیا۔ ریفرنڈم میں فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوا ادھر ولی خان اور اے این پی نے صوبائی خود مختاری کیلئے بڑی سرشاری اور تیزی دکھانا شروع کیا۔ پاکستان نے اس تحریک کا راستہ روکنے کیلئے ون یونٹ بنانے کا فیصلہ کیا۔

ادھر باچاخان اور اس کی پارٹی نے پختونستان کا مطالبہ زور شور سے شروع کیا۔ ولی خان نے یہاں تک کہا، کہ ہم ڈیورنڈ لائین کو نہیں مانتے اور یہ کہ تورخم کا زنجیر ہم چوک یادگار میں لاکر رکھدیں گے۔ افغانستان نے بھی برابر پختونستان کا پرچار جاری رکھا۔

جسکی بھارت بھی تائید کرتا رہا۔ اب لگتا تھا۔ کہ بھارت۔ افغانستان اور قوم پرست سب ایک ہی نقطہ پر متفق ہیں۔ کہ صوبہ سرحد کو آزاد صوبہ بنایا جائے۔ اور جس کا نام پختونستان ہو۔

میں یہ کہنے میں باک محسوس نہیں کرتا کہ صوبہ سرحد اپنا نام حاصل کرنے میں اگر ناکام رہا ہے۔ تو اسکی خاص وجہ قوم پرست سیاست کاروں کا رویہ بھی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ بعد میں پختونستان کے بارے میں سرد مہری کیوں دکھائی اور کیوں مہر بلب ہوئے۔ کیونکہ جب انکی مسلم لیگ کے ساتھ حکومت تھی۔ تو انہی جیسے

چپ لگ گئی۔ البتہ جمیعت علماء کے ایک رکن اکرم خان درانی جو اب موجودہ وزیر اعلیٰ بھی ہیں۔ پختونستان کی تجویز پیش کر دی۔ اور جناب آفتاب شیرپاؤ پیپلز پارٹی نے اسکی تائید کر دی۔ اور یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی۔

اس وقت سیاسی صورت حال بالکل بدل گئی ہے۔ افغانستان کی طرف سے سرحد پر اپنا دعوے اپنی موت مر چکا ہے۔ اسلیئے حالات سازگار ہیں۔ کہ سیاسی پارٹیاں سب مل کر مشترکہ فیصلہ کر کے سرحد کو اپنا نام دیدیا جائے۔

آیئے اُن مختلف تجویز کردہ مختلف ناموں کا جائزہ لیں۔ گندھارا، آباسین، خیبر، پختونستان، پختونخواہ۔

پاکستان کے کل چار صوبے ہیں۔ پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد۔

کسی صوبے کے پہچان اسکی زبان ہوتی ہے۔ جو اکثریت کی زبان ہو۔ ویسے ہر صوبے میں مخلوط قسم کی زبانیں بولنے والی آبادیاں ہیں۔ مگر ہر صوبے میں اپنی اکثریتی زبان بھی ہے۔ مثلاً پنجاب میں پنجابی، سندھ میں سندھی، بلوچستان میں بلوچی، اور سرحد میں پشتو یہ سب اپنے اپنے صوبوں میں اکثریتی زبانیں کہلائی جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔

کہ کسی صوبے کا نام اس کی ثقافت کا مظہر ہوتا ہے۔ یہاں سیاست، محل وقوع، جغرافیہ کو دخل نہیں ہوتا۔ زبان ثقافت کا حصہ ہوا کرتا ہے۔

سرحد میں پشتو اکثریت کی زبان ہے اسلیئے اس مناسبت سے اس صوبے کا نام پختونستان یا پختونخواہ زیادہ مناسب اور قرین حقیقت ہے۔ آیئے ماضی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

پختونخواہ صدیوں پرانا نام ہے۔

اخون درویزہ بابا نے اپنی کتاب مخزن میں اپنے اشعار میں اس کا ذکر یوں کیا ہے

پختونخواہ پہ مثال شپہ دہ ____ دنے ڈیوہ ووپہ اندھیر کے (کس)

دے لیکوان چہ پختو نخواہ ہو ____ تندور پہ دنیاوو۔

پختونخواہ خکلی زلمی چہ زغلی ہندتہ ____ نو اغلی پیغلے کاندی اتنڑ ونہ

اتڑونہ بمعنی ناچ جسے ہم

ہوی پشتو میں اسے درب کہتے ہیں اتانڑ اجتماعی رقص ہوتا ہے جو حلقہ بنا کر کیا

جاتا ہے محمد ہوتک بابا لکھتے ہیں آج سے سات سو بسال پہلے

پہ پختونخواہ کہ ئے ناتار دے ____ پر کلی کور باندے مغل راغئے

یعنی مغلوں نے ہر گھر اور گلی میں تباہی مچا رکھی ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

دِ پختون خواہ زمکے ساتہ کڑئی ____ کلی کور باندے مغل راغئے۔

سرزمین پختونخواہ کی حفاظت کرو مغل آن پہنچا ہے۔ گویا گھر میں گھس آیا ہے۔

خوشحال بابا فرماتے ہیں۔

نورہ واڑہ پختونخواہ پہ زائی میشتہ وہ ____ خویوزہ زمانے پہ کے منصور کڑم

پختون بے حسی کا شکار صرف میں ہی تختہ دار پر ہوں۔

''لمحہ فکریہ''

آیئے سیاسی تعصب اور دیگر نسلی رقابت سے پاک اور بالا ہو۔ ہمارے ادیب، دانشور، محقق، صوفی اور صحافی سب ملکر سرحد کو اپنا نام دلادیں تاکہ ہم سرخرو ہو کر دیگر صوبوں کے باسیوں کے ساتھ آنکھ ملا سکیں۔ کیونکہ انسان اور ملک تو کیا حیوانوں اور جانوروں کا بھی اپنا نام اور تشخص ہوتا ہے کیا ہم سرحد کے باسی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بے نام اور بد نام رہیں گے کیا یہی ہمارا مقدر جو سنبھلنے اور سنوارنے کا نہیں۔

”گذارش احوال واقعی“

عمائدین سیاست سے التماس ہے کہ وہ مخالفت برائے مخالفت کا رویہ چھوڑ کر صوبے کیلئے کسی ایک نام پر متفق ہو جائیں۔ اس گزارش کیساتھ کہ صوبے کا نام اور زبان دونوں ہم نام ہوں۔ مثلاً ذیل کے نام زیر تجویز ہیں۔

خیبر سے خیبری۔ گندھار، سے گندھاری، اباسین سے اباسینی پختونخواہ سے پختو یا اور پشتونستان سے پشتو رکھا جائے۔ اگر صوبے کے ساتھ زبان کی ہم آہنگی نہ ہو تو مزید بد مزگی اور بدنامی پھیلے گی۔ اس لحاظ سے بہترین نام پختونخواہ ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ملک اور زبان آپس میں لگاؤ رکھتے ہیں۔

اباسین	سے	اباسینی زبان
گندھارا	سے	گندھاری زبان
خیبر	سے	خیبری زبان
سرحد	سے	سرحدی زبان
پختونخواہ	سے	پشتو یا پختو
پشتونستان	سے	پشتو

''باچا خان (بحوالہ میر قلم جان)

1946ء کا سال ہے شاہی باغ پشاور میں رضا کاروں کا اجتماع ہے آدھی رات کا وقت ہے بعض رضاکار نماز تہجد میں مشغول ہیں۔ اچانک منادی کرادی گئی۔ باچا خان کچھ کہنا چاہتے ہیں ہم سب دائرے کی شکل میں بیٹھ گئے۔ باچا خان وسط میں جلوس فرما ہوئے۔ باچا خان کندے پر چادر اوڑھے ہوئے افسردہ دکھائی دے رہے تھے باچا خان گویاں ہوئے۔ ابھی ابھی میرے کانوں میں زختی ماماہوں کا باسی کی دعا گونجی۔ ''خدایا باچا خان کو ہندوستان کا بادشاہ بنادے'' باچا خان نے کہا مجھے فکر دامنگیر ہوئی۔ انہوں نے کہا یاد رکھو۔ ہمارا مستقبل جمہوریت سے وابستہ ہے جن اقوام نے آمریت اور بادشاہیت کا راستہ اختیار کر رکھا ہے وہ اقوام عالم میں باعزت مقام حاصل کرنے سے رہے افغانستان کی مثال ہمارے سامنے ہے افغانستان کے عوام غریب اور غیر اسودہ حال ہیں۔ کیونکہ یہاں بادشاہت ہے اس طرح جب روس پر بادشاہ مسلط تھی۔ روسی بدحال تھے جب بادشاہت رخصت ہوئی تو خوشحالی واپس آئی۔

یاد رکھو: انگریز پابارکاب ہے۔ وہ جانے والا ہے۔ آزادی آنیوالی ہے۔ انگریز کی جگہ جمہوریت لیگی۔ جمہوریت کے بغیر برائے نام آزادی کہلائیگی۔ آزادی کے ثمرات سے لطف ہونا ناممکن ہو جائے گا۔

واقعی: آج جب ہم پاکستان کی ماضی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو احساس ہوتا ہے۔ باچا خان کی پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی۔ آج پاکستان سیاسی، معاشی، تعلیمی اور اقتصادی پسماندگی سے دوچار ہے۔ یہ سب کچھ عسکری قیادت کا نتیجہ ہے۔ ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کیا۔ تو باچا خان افغانستان ہجرت کر گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں واپس آئے۔ انہوں نے انکی پزیرائی نہ کی بلکہ شک کی نگاہ سے دیکھا۔ ایک بار پھر باچا خان افغانستان چلے گئے۔ ضیاالحق نے مارشل لاء لگایا۔ تو بھی باچا خان تادم مرگ افغانستان

میں مقیم رہے اور وصیت کی۔ کہ مجھے غلام ملک (پاکستان) میں دفن نہ کیا جائے۔

لہذا انکا مدفن کابل کے نزدیک ہے۔

ناکامی جاوید بصد شوق گوارا

گردن در باطل پہ جھکائی نہیں جاتی

''فقیر آف ایپی''

جنرل ہولڈرز ورتھ '' دی پٹھان بارڈر لینڈ '' میں لکھتا ہے۔ فقیر ایپی اپنے لشکر کے خود جنرل تھے۔ اور وہ اپنی تحریک کی تنظیم بڑی قابلیت سے کرتے تھے۔ 1937ء میں 30 ہزار فوج آپ کے خلاف میدان میں تھی مگر فوج کو پھر بھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ فقیر ایپی ہر موقع پر فوج کے ہاتھ سے مچھلی کیطرح نکل جاتے۔

میجر جنرل محمد اکبر خان اور فقیر اے پی (ایک چشم دید واقعہ)

سابق میجر جنرل محمد اکبر کا چشم دید واقعہ۔ حدیث دفاع کے حوالے سے۔

پہاڑی علاقوں میں جنگ کا زرین اصول یہ ہے۔ کہ فوج کو وادیوں اور نالوں میں پڑاؤ نہیں ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسے علاقوں میں اگر یکایک. تیز بارش ہو جائے۔ تو سیلاب آجاتا ہے جن سے جان ومال دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔اور اگر معمولی بارش ہوتا ہے۔ تو بدترین قسم کا دلدل ہو جاتی ہے۔ جسے انسان اور حیوان دونوں مشکل سے عبور کر سکتے ہیں۔ موٹر گاڑیاں پھنس کر رہ جاتی ہیں۔

1937ء کا واقعہ ہے۔ برطانوی فوج فقیر اے پی کے خلاف یورش کرتی ہوئی گڑیوم تک پہنچ گئی۔ میدان شام میں واقع ہے۔ یہ میدان دراصل شام، نالے کے بہاؤ کی زمین ہے مئی کا مہینہ تھا۔ کسی کے وہم گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ اس موسم میں بارش ہو سکتی ہے میں (اکبر خان) اس فوج کے ساتھ تھا۔ فوج نے پڑاؤ کے طور اس مقام کو کئی باتیں مدنظر رکھ کر چنا تھا۔

ا) فوج کیلئے جگہ کافی تھی اس مہم سے پہلے قبائلوں کے خلاف اتنی بڑی فوج کی فراہمی نہیں کی گئی تھی لہذا وسیع اور کشادہ جگہ کی ضرورت تھی۔ اور نالوں میں قیام نہ کرنے کے اصول کو سردست نظر انداز کر دیا گیا تھا اس علاقے میں برسات کا موسم عموماً جولائی کے آخری ہفتہ یا اگست کے مہینے سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے بارش نہیں ہوتی لہذا خطرے کا کوئی احتمال نہ تھا۔

۲) دوم یہ کہ وہاں قبائلوں کے شب خون سے تحفظ آسان تھا۔ پڑاؤ کے بعد فوج کے برطانوی کمانڈر نے حکومت ہند کے نمائندہ (P. A) کو فقیر اے پی کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اب بھی موقع ہے۔

"کہ تم ہتھیار ڈالو۔ ورنہ تمہاری قیام گاہ پاسال (Pasal) ایک پہاڑی غار تھی۔ تباہ و برباد کر دی جائیگی"۔ فقیر اے پی کی مدد محسود قوم کا ایک لشکر کر رہا تھا۔ جسکی تعداد 400 (چار سو) سے کم تھی۔ انگریزی فوج چالیس ہزار سے متجاوز تھی۔ ہر قسم کے جدید اسلحہ اور کیمل کانٹے سے لیس تھی۔

محسودوں کے پاس لے دے کے ہر ایک کے پاس صرف ایک ایک رائفل تھی۔ اس کے سوا کچھ نہ تھا فقیر اے پی نے برطانوی فوج کے کمانڈر کو کہلا بھیجا "کہ میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ میں آخری دم تک مقابلہ کروں گا"۔ جب پولیٹیکل ایجنٹ نے فقیر اے پی کا جواب فوجی افسروں کی اس کانفرنس کے سامنے سنایا۔ تو سب لوگ بے اختیار ہنسنے لگے شرکاء کانفرنس ضروری احکامات حاصل کر کے اپنے اپنے کیمپوں کو لوٹ رہے تھے۔ کہ آسمان پر دفعتہً بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ جب اسمیں سے گرج کی آواز آئی۔ تو سب لوگ خوش ہوئے کہ اب گرمی کی شدت کم اور موسم خوشگوار ہو جائے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اولے پڑنے لگے لوگ انہیں اٹھانے کیلئے دوڑے کہ کام و دہن کو تر کریں۔ ژالہ باری نے شدت اختیار کر لی۔ اور تھوڑی دیر میں تمام پہاڑ سفید چادر سے ڈھک گئے۔ پھر زور کی بارش آئی۔ انہوں نے بہہ کر ایک ٹیلے کی صورت میں ہمارے کیمپ کی طرف بڑھے اور جو خیمے نشیب میں تھے۔ ان کو سیلاب کا پانی بہا لے گیا۔ غرض اس ژالہ باری او بارش سے اتنا زبردست نقصان ہوا۔ کہ برطانوی کمانڈر کو مجبوراً مہم کو ملتوی کرنا پڑا۔ پھر یہی نہیں اس طوفان و سیلاب سے فوج کو نقصان پہنچا۔ اور حرب و ضرب سے لیکر رسد تک کا سامان آب برد

ہوا۔ بلکہ بہت سا سامان بہہ کر فقیر اے پی کے کیمپ کی طرف چلا گیا۔ جو نالے کے بہاؤ کی جانب تھا اور قبائلوں کے ہاتھ آیا۔ اس قسم کی دشواریاں قریش کے لشکر کو بھی پیش آئی تھیں۔

؎ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تخلیق پاکستان کرشمہ یا کارنامہ

داستان حرم سادہ ور نگین ہے جو قربانیوں سے مزین ہے۔ بدر و حنین اس کا آغاز ہے اور سانحہ کربلا اس کا انجام ہے۔

پاکستان کی تخلیق بھی محض کس کے خواب وخیال کا نتیجہ ہر گز نہیں۔ بلکہ جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ جس کا آغاز جنگ پلاسی 1756ء سے ہوا۔ پھر 1857ء جنگ آزادی پر منتج ہوا۔ جو سرحد کے خوانین سکھوں اور پنجاب کے سجارہ نشینوں کی غداری کے باعث ناکامی سے دوچار ہوئی۔ شاہ ولی اللہ کی اصلاحی تحریک۔ شاہ احمد بریلوی، شاہ اسمعیل شہید کی تحریک۔ تحریک ریشمی رومال۔ تحریک خلافت اور تحریک ہجرت ترک موالات۔ خدائی خدمتگار تحریک احرار کانگرس اور مسلم لیگ کی قانونی جدوجہد تحریک کی قربانیوں اور کاوش مسلسل کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں برپا ہوا۔ حاجی ترنگ زئی، فقیر آف اپیی، سپینہ تنگی و قصہ خوانی بازار کے شہداء کے خون شہادت کے لئے موجود ہیں۔

؎ خریدیں نہ جسکو ہم اپنے لہو سے

مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی۔

قائداعظم کی ضد یا اصول

یہ شملہ کانفرنس ہے۔ اور جون 1945ء کا سال ہے۔ لارڈ ویول وائیسرائے ہند برطانوی حکومت کی تجویز کے مطابق ایگزیکٹیو کونسل 14 ارکان پر مشتمل ہوتی جن میں سے 5 ارکان کانگریس نامزد کرتی مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت تھی۔ اسے حق تھا۔ کہ وہ اپنے کوٹے میں جن مسلمانوں کو چاہے نامزد کرائے۔ کانگریس قومی جماعت ہونے کی دعویدار تھی چنانچہ اسے حق تھا۔ وہ جن جن افراد کو چاہے۔ نامزد کرائے۔ کانگریس چاہتی تھی کہ وہ اپنی اس قومی حیثیت کے مطابق ہر فرقہ سے ایک ایک نمائندہ نامزد کرائے۔

عیسائیوں، پارسیوں، سکھوں اور مسلمانوں سے اسطرح 14 ارکان میں ایک یا دو ہندو شامل ہو سکتے لیکن مسٹر جناح نے اصرار کرنا شروع کیا۔ کہ کانگریس اپنے کوٹے کے 5 ارکان صرف ہندوؤں کو نامزد کرائے لیکن کانگریس کی طرف سے میرا نام (ابوالکلام) شامل کیا گیا۔ کیونکہ اس وقت میں کانگریس کا صدر تھا۔ اسطرح ایک عیسائی اور پارسی فرقہ سے لیا جانا طے ہوا۔ اور باقی دو جواہر لعل نہرو۔ اور سردار پٹیل کے نام تجویز ہوئے۔ لارڈ ویول نے چار ناموں کی فہرست میں دو نام اچھوتوں ایک نام سکھ اور ایک نام خضر حیات جو اسوقت پنجاب کا وزیر اعلیٰ تھا کا نام تجویز کیا۔ مسٹر جناح نے یہاں بھی اصرار کیا۔ کہ چوتھا آدمی مسلمان نہیں ہونا چاہیئے۔ جناح کے اصرار پر یہ کانفرنس ناکام ہو گئی۔ ابوالکلام فرماتے ہیں کافی عرصہ گزر جانے کے بعد بھی میں آج بھی یہ راز سمجھنے سے قاصر ہوں۔ کہ غیر منقسم ہندوستان کی پہلی حکومت جو چودہ ارکان پر مشتمل ہوتی۔ اور جن میں سات مسلمان نمائندے ہوتے اور سات غیر مسلم جبکہ ہندو صرف دو ہوتے۔ اسلام اور مسلمانوں کے کونسے اہم مفاد کے پیش نظر مسٹر جناح کے لئے قابل قبول نہیں تھی (حوالہ ابوالکلام آزاد)

فقہائے خمسہ

(۱) حضرت امام جعفر صادقؒ ولادت بروز جمعہ 83ھ مدینہ منورہ میں ہوا۔ وفات بروز جمعہ 150ھ میں ہوئی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(۲) حضرت امام ابو حنیفہؒ اسم مبارک نعمان کنیت ابو حنیفہ لقب امام مسلم۔ ولادت 80ھ بمقام کوفہ بغداد میں ہوئی۔ امام حماد کی شاگردی میں دس سال رہے۔ وفات 150ھ میں 70 سال کی عمر میں ہوئی۔

مختصر حالات :۔ خلیفہ مروان ثانی کے عہد خلافت میں گورنر کوفہ یزید بن عمر نے انہیں خزانہ کا میر منشی مقرر کرنا چاہا۔ مگر ابو حنیفہؒ نے انکار کیا۔ جس پر انہیں سخت اذیت پہنچائی گئی اور روزانہ دس کوڑے دیئے جانے لگے۔ جب دیکھا کہ یہ سب کچھ بے اثر اور بے سود ثابت ہو رہے ہیں۔ تو امام ابو حنیفہ منصورؒ کی سزا موقوف کر دی۔

خلیفہ منصور نے انہیں قاضی القضاۃ بنانا چاہا۔ تو پھر انکار فرمایا جسکی پاداش میں ایک بار پھر امام ابو حنیفہؒ کو قید کر دیا گیا۔ اور قید ہی میں وفات پائی۔

وصیت :۔ امام ابو حنیفہؒ نے وصیت فرمائی کہ انہیں بغداد کے اس خطے اور حصے میں دفن نہ کیا جائے۔ جہاں کی زمین زور اور جبر سے حاصل کی گئی ہو۔

(۳) حضرت امام مالکؒ : ولادت 94ھ میں بمقام مدینہ میں ہوئی۔ امام جعفرؒ سے درس احادیث کی۔ بعد میں خود بھی مسجد نبوی میں درس و تدریس میں مصروف ہوئے۔ ایک دفعہ خلیفہ وقت نے اعلیٰ ملازمت دلوانے کے لئے بلا بھیجا۔ مگر وہ مدینہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ ایک بار منصور خلیفہ کے خلاف محمد نفس ذکیہ کے حق میں فتویٰ دیا۔ جب نفس ذکیہ شہید کئے گئے۔ تو امام مالک کو خلیفہ منصور نے 70 کوڑے مارنے کی سزا دی جس پر عمل بھی ہوا۔

(۴) حضرت امام شافعیؒ :۔ اسم مبارک محمد ولادت رجب 150ھ میں ہوئی۔ دو درس کے

تھے کہ والد وفات پا گئے۔ والدہ نے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ تکمیل علم کے بعد یمن منتقل ہوئے۔ بعد میں مصر چلے گئے۔ اور وہیں بعمر 54 سال وفات پائی۔

امام احمد بن حنبل ۔ بمقام بغداد 164ھ میں پیدا ہوئے۔ امام ابی یوسف کے شاگرد رہے ہیں۔ جو خلق قرآن کے سلسلے میں انہیں سخت اذیتیں دی گئیں۔ خلیفہ معتصم باللہ نے اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ بیہوش ہو جاتے جب خلیفہ متوکل بنے، تو انہوں نے ان سے اچھا سلوک کیا۔

(کچھ خاکے کے بارے میں)

یہ سب خاکے، بن باس جلد اول کے لئے لکھے گئے تھے۔ مگر کتاب کی صحافت بڑھ جانے کی وجہ سے انہیں بن باس جلد دوم کے لئے موخر کر دیا گیا۔ افسوس کی بات ہے بعض حامل خاکہ افراد ہم سے رخصت ہو چکے ہیں۔

خان صاحب ملک دَ مساز خان شاہ بزرگ خیل

ملک دمساز خان 1895ء میں ملک اکبر علی خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ اور 1985ء میں وفات پائی۔ ان سے ایک بڑا بھائی بھی دمساز خان کا نام رکھتا تھا۔ مگر وہ خورو سالی میں مر گیا۔ جب ملک اکبر علی خان کا دوسرا لڑکا پیدا ہوا تو اسکا نام بھی دمساز خان ثانی رکھا گیا۔ جو بعد میں لاثانی بن گیا۔ دَمساز خان کے والد ملک اکبر علی خان بڑے زمیندار تھے۔ ان کے والد درب خان نے دوسرے بیٹوں پر اسے ترجیح دے کر جائیداد کا کثیر حصہ اکبر علی خان کو دیا گیا۔ ملک دمساز خان اسمِ باسمی ثابت ہوئے۔ بارعب، بے داغ شخصیت کے مالک تھے۔ بے باک، پاکباز، پاک سیرت انسان تھے۔ وہ بڑے شاہ خرچ تھے۔ مسابقت میں اس کا ثانی نہ تھا۔ انہیں خان صاحب کا خطاب ملا۔ ملک تاج علی خان کی بجائے وہ مسلم لیگ ضلع بنوں کے صدر بنے۔ صوبائی کونسل کے بھی ممبر رہے۔

انکی بڑی دبنگ شخصیت تھی جب قائداعظم کو مالی معاونت کی ضرورت پڑی تو پاکستان بھر میں سب سے زیادہ چندہ انہوں نے دیا۔ اور خوب شہرت پائی۔ اپنی صاف گوئی کی وجہ سے وہ قیوم خان وزیراعلی سرحد سے نہ نبھا سکے اسے مسلم لیگ صدارت سے استعفے دینا پڑا۔ تب قیوم خان نے سالار یعقوب خان کو کانگریس سے توڑ کر اسے مسلم لیگ بنوں کا صدر بنا دیا اور ساتھ پارلیمانی سیکرٹری بھی۔

دمساز خان مسلم لیگ کی ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا بلا مقابلہ ممبر بنے تھے۔ وہ اپنے ہم عصروں اور ہم سروں پر فوقیت رکھتے تھے۔ انکی شجاعت، دلیری، صاف گوئی اور جیداری کے چرچے بیرون بنوں بھی سننے کو ملتے۔ وہ بنوں کی شناخت تھے۔ انہوں نے خوب کمایا اور خوب لگایا۔ اصول پسندی، راست گوئی، اخلاقی پختگی کے باعث وہ ضرب المثل جانے جاتے تھے۔ البتہ وہ اچھے مسلم لیگی تھے۔ مگر کوئی عہدہ قبول نہیں کیا تھا۔ مگر بعد میں قائداعظم کی خواہش پر بنوں مسلم لیگ کی قیادت قبول کی۔ وہ شروع سے مقرر نہ تھے۔

جب ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائیدادیں فروخت ہونے لگی تھیں، تو انہوں نے ایک دوسرے کو اونچی بولی کرنے سے روکا۔ اور اس طرح بے سہار الوگوں کا بھلا ہوا تھا۔ خان دمساز خان کے دو بیٹے ہیں۔ محمد اقبال خان ان دنوں ضلعی ناظم ہیں ملک دمساز خان کے بعض خیالات اور اقدامات بڑے عجیب وغریب ہوتے تھے۔ ایک بار ان کے جی میں ایک بات آئی کہ پشاور میں خاص بلبل پائی جاتی ہے۔ جو بہت خوبصورت پرندہ ہے۔ وہ بنوں میں کیوں نہیں پایا جاتا۔ اب تو ہزاروں پرندے پشاور سے خرید کر بنوں میں آزاد کر تا رہا۔ اور کچھ عرصہ بعد یہ پرندہ عام ہو گیا۔ اب یہ پرندہ بنوں میں پایا جاتا ہے۔ جو بال و پر کے لحاظ سے خوبصورت اور شوخ ہوتا ہے۔

دمساز خان بعض خوبیوں اور خصوصیت کے اعتبار سے امیر محمد خان نواب آف کالاباغ کے ہم خیال، ہم رنگ اور ہم طبیعت تھے۔ دونوں میں عجیب مماثلت پائی جاتی تھی۔ ملک دمساز خان درونِ خانہ اور بیرون خانہ ایک جیسا وقار اور اختیار رکھتے تھے۔ ان کے ہاں کسی کو بھی برہنہ سر بیٹھنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ بڑے وضع دار شخص اور رعب دار شخصیت کے مالک تھے، دمساز خان کی ہر ادا قابل التفات تھی۔

ان میں کچھ خامیاں بھی تھیں، ضدی اور خوشامد پسند تھے۔ غریب عوام ان سے خائف اور دور رہتے تھے۔ اس لئے وہ مقبول سیاسی لیڈر نہ بن سکے تھے۔ ورنہ انہوں نے مفاد عامہ کے بہت سارے کام کیئے۔ مسجد جعفر خان کی تعمیر و تزئین ان کی مرہون منت ہے۔ ان کے پاس کوئی مظلوم آتا۔ تو اس کی پوری داد رسی کیا کرتا تھا۔

غلام اسحاق خان

غلام اسحاق خان 20 جنوری 1915ء کو اسماعیل خیل بنوں میں پیدا ہوئے۔ بی اے بہت بڑے خان اور زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا خاندان اصول پرستی ذہانت اور دیانت داری کے لئے مشہور ہے۔ غلام اسحاق خان سی ایس ایس کرنے کے بعد اعلیٰ سول ملازمت میں آئے۔ اپنی ذہانت اور اُصول پسندی کے باعث بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ وہ خوبصورت اور خوب سیرت انسان ہیں۔ خرد و خبر کا مجسمہ، ہمہ جہت انسان۔ وہ یگانے بے گانے، اپنے پرائے سب کے لئے یکساں۔ اُصول کے معاملے میں ان کا نہ کوئی دوست نہ دوستدار، نہ یار و مددگار نہ کسی سے مدد کا طالب گار۔ وہ بالکل مشینی شخص ہیں۔ بے رو، بے ریا، اصول پرستی میں یکتا و بے ہمتا۔ دیانت داری اور ذہانت ان پر تمام۔ کسی سے غرض نہ کام، خاموش طبع۔ کم گو، دوران ملازمت بیرون بنوں رہے۔ شاید وہ بنوں سے بیزار بھی ہیں۔ بنوں بہت کم آتے ہیں۔ وہ بھی مختصر قیام کے بعد بنوں سے فرار لیتے ہیں۔

وہ پاکستان کے صدر بنے۔ تو بے نظیر اور نواز شریف کی حکومتیں ان کے اعلیٰ معیار پر نہ اُتر سکی تھیں۔ دونوں حکومتوں کو بر طرف کیا۔ البتہ ایک کوتاہ اندیش، کوتاہ قد چیف جسٹس نے نواز شریف کی حکومت کو بحال کر دی اور بے نظیر کو اپنے حال پر بر قرار رکھا۔ اور دوہرے معیار کی بدترین مثال تاریخ کا حصہ بنادیا۔ نواز شریف کے بارے میں چیف جسٹس موصوف کا جملہ ریکارڈ پر موجود ہے "100 بار بھی نواز شریف کی حکومت بر طرف ہو تو وہ اسے ہر بار بحال کرتا رہے گا۔

ایک دفعہ ایک بہت ہی قابل، بے سہارا غریب بنوں سے تعلق رکھنے والا لڑکا غلام اسحاق خان سے سفارش کا طلب گار ہوا جواب ملا۔ تمھارا تعلیمی ریکارڈ بہترین ہے۔ تم کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اس لڑکے کو پھر بھی انصاف نہ ملا اور وہ ملازمت سے محروم رہا۔ البتہ غلام اسحاق خان نے اُصولوں پر سودے بازی نہ کی وہ خودگر، خودگیری خودی ضرور ہیں۔ مگر کسی کے کام آنے والے ثابت نہ ہو سکے۔

کرنے کے بعد اعلیٰ سروس (I.C.S) میں آئے۔ تقسیم ہند کے بعد سیکرٹری خوراک بنے۔ 1966ء میں ماحولیات کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد سٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر بنے۔ 1975ء میں سیکرٹری ڈیفنس بنائے گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو وزیراعظم پاکستان کے معتمد خاص تھے۔ مگر ساتھ ساتھ ضیاء الحق کمانڈر ان چیف کے بھی ہمراز تھے۔ جب 1977ء کے عام انتخابات متنازعہ بنے۔ تو تمام سیاسی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر مفتی محمود کی سربراہی میں بھٹو کے ساتھ سیاسی مذاکرات شروع کئے۔ جب یہ مذاکرات باآور ہونے کو تھے۔ تو یہی غلام اسحاق خان نے ضیاء الحق کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اسی رات ضیاء الحق نے جمہوریت پر شب خون مارا، بھٹو کو گرفتار کرلیا گیا۔ غلام اسحاق خان مارشل لائی دور کا سیاہ و سفید مالک بنا۔

انہیں 7 جولائی 1977ء کو سیکرٹری جنرل ان چیف بنادیا گیا۔ اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر کبیر اور پھر وزیر خزانہ بنادیئے گئے۔ جب 1983ء میں سینٹ کے عام انتخابات ہوئے تو آپ کو سینٹ کا چیئرمین چنا گیا۔ 17 اگست 1988ء کو جنرل ضیاء الحق کی فضائی حادثے میں لقمہ اجل ہونے کے بعد غلام اسحٰق خان قائم المقام صدر بن گئے۔ 1988ء میں عام انتخابات کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہوئی۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے نوابزادہ نصر اللہ پر غلام اسحٰق خان کو ترجیح دے کر انہیں صدر پاکستان منتخب کردیا۔ مگر بعد میں بینظیر حکومت کا ساتھ دیتے رہے۔ اور اسے چلتا کیا۔ غلام اسحٰق خان متحرک تحریک ہیں آپ علوم مختلفہ تبحر عالم ہیں آج کل فعال زندگی سے کنارہ کش ہوئے ہیں۔ یونیورسٹی ٹاؤن پشاور میں گوشہ نشین ہیں۔ قلندرانہ ادائیں رکھنے والے شخص، نا خود کھایا، نہ کسی اور کو کھانے دیا۔ درویش طبع انسان قانع اور سچا مسلمان حرص و ہوس سے پاک۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

غلام اسحٰق خان کا خاص کارنامہ

ضیاء الحق کے سیاہ نظام سیاست کی اصلاح کر کے جرات مندانہ فیصلہ کیا اور انتخابات جماعتی بنیادوں پر کرا کر جمہوریت کو بحال کر دیا۔ انکا یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ غلام اسحٰق خان سیاست کے کوئلہ کے کان میں ہیرا ثابت ہوئے۔ بہت قیمتی اور بے بہا۔ وہ ذہانت کے ساتھ ساتھ پاک باز پاک طینت اور پاک سرشت انسان ہیں۔ سنا ہے وہ قران پاک کی ایک جامع تفسیر رقم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

پیر سخی زمان آف نورڑ قوم میریان

پیر سخی زمان نورز کے باسی۔ قوم مری کے سرگردہ سمجھے جاتے تھے وہ مقامی لیڈر رہتے۔ نا خواندہ تھے مگر سمجھدار، زیرک اور بڑے ذہین شخص تھے۔ وہ معاملہ فہم اور زود فہم۔ صاحب بصیرت انسان تھے۔ ہنوں میں ان کا خاص مقام تھا۔ لمبا تڑنگا، منحنی، چھریرا بدن، سفید چہرہ رکھتے تھے۔ پیر سخی زمان کم گو، صاحب کردار اور خوش سلیقہ انسان تھے۔ بڑے معقول اور مدلل باتیں کرتے تھے۔ حلقہ احباب وسیع تھا۔ ہنویان اور مروت میں یکساں رسوخ رکھتے تھے۔ وزیروں کے ساتھ بھی شناسائی اور دوستی تھی۔ صاحب اختیار اور صاحب اعتبار شخص تھے۔ ملک دمساز خان ان کا لحاظ رکھتے تھے۔

ملک بہادر خان، عمر جان ایڈوکیٹ دونوں کے ساتھ یارانہ تھا۔ جسکے باعث مضبوط سیاسی فرنٹ بنا تھا۔ وہ سیاسی لحاظ سے حبیب اللہ خان میتا خیل کے گروپ میں تھا۔ اپنا سیاسی نظریہ نہیں رکھتے تھے۔ گروہ بندی کی سیاست سے وابستہ تھے۔

ماضی میں قوم مری قبیلہ بکا خیل وزیر کے دست برد اور زیادتی سے اکثر پریشان رہتی۔ مگر پیر سخی زمان وزیر قوم کیلئے سد سکندری تھے۔ ان کی شخصیت میں کشش اور جاذبیت پائی جاتی تھی۔ وہ قوم میریان کیلئے وجہ جامعیت تھے۔ پیر صاحب حال ہی میں فوت ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دلباز خان شہید بطل بنوں

دلباز خان بطل بنوں کے قابل فخر پیدائشی لیڈر تھے۔ وہ سیاستدان تھے۔ ان کے گھٹی میں سیاست سرایت کر گئی تھی۔ منور خان ایڈوکیٹ جب مغربی پاکستان کے صوبائی ممبر بنے تو اکثر و بیشتر وہ دلباز خان کو بطور مشر اسمبلی میں ساتھ لے جاتے۔ منور خان ایڈوکیٹ نے خود کئی بار اس امر کی تصدیق کی کہ دلباز خان ایک مخلص انسان ہیں۔ اور سیاسی بصیرت کے مالک ہیں۔ دلباز خان بنوں کے عوام کے لئے بہت قیمتی اثاثہ تھے۔ مگر ان کی بے وقت موت کیوجہ سے بنوں میں سیاسی خلا پیدا ہوئی۔ وہ بنوں کیلیے دل و دماغ تھے۔ وہ بڑے بے عدیل مقرر بھی تھے۔ شروع میں کانگرس اور پھر بھاشانی تحریک سے وابستہ ہوئے۔ بعد میں کسان پارٹی کے رکن بنے۔ اور یہ سلسلہ تادم مرگ قائم رہا۔ وہ سوشلسٹ نظریہ رکھتے تھے۔ مذہبی لگاؤ بھی خوب تھا۔ پروفیسر اکبر شاہ آف داؤد شاہ ان کا سیاسی استاد تھا۔ وہ بھی سوشلسٹ نظریہ رکھتے تھے۔ دلباز خان دوست پرور انسان تھے۔ میرے یار اور ہمراز دوست رہے ہیں۔ اکثر و بیشتر ہم باہم صلاح و مشورہ بھی کرتے رہتے تھے۔ وہ دل کی بات مجھ سے ہی کرتے تھے۔ وہ قوم کی بے حسی اور بے شعوری پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتے تھے۔ وہ سیاست کے مردِ میدان تھے۔ فلاحی اور سماجی کاموں میں فنا کی حد تک دلچسپی لیتے تھے۔ سیاست ان کا اُوڑھنا بچھونا تھا۔ سیاست انہیں ورثہ میں ملی تھی۔

حاجی عبدالرحمان پرانے کانگریسی تھے۔ وہ پہلے تحریک خلافت اور پھر خدائی خدمت گار تحریک میں شامل ہوئے۔ جب خدائی خدمت گار تحریک کانگریس میں ضم کر دی گئی تو وہ بھی ساتھ شامل ہوئے۔ ہجرت کمیٹی کے صدر تھے۔ افغانستان ہجرت کر گئے اور بعد میں واپس آگئے۔ مرتے دم تک سیاست کرتے رہے۔ گویا سیاست دلباز خان کی گھر کی لونڈی تھی۔ دلباز خان انقلابی اور سماجی طبیعت رکھتے تھے۔ دلباز خان ماوزے تنگ کے فلسفہ سیاست سے بہت متاثر تھے۔ دلباز خان صوم صلوۃ کے بھی بہت پابند تھے۔

1968ء میں وزیر قوم کے خلاف جب سارا ہنوں تیغ پا ہو کر صف آراء ہوا تھا۔ اس کے سر خیل، سر گروہ بلحہ ہیرو دلباز خان تھے۔ مگر جب صلح نامہ ترتیب دیا گیا۔ تو انہیں نظر انداز کیا گیا۔ 4 فروری 1968ء میں بنوں، مروت، عیسک خیل کے مشران جمع تھے۔ جج حبیب اللہ خان مینا خیل مروت عہد نامہ کا متن سنا رہے ہیں۔ دلباز خان کے استفسار پر انہوں نے بتایا، کہ وزیر وں کی طرف سے کافی کسان نے دستخط کیے ہیں جبکہ بنویان کیطرف سے دو اشخاص یعنی ملک حمید اللہ خان اور ملک بہادر خان نے صاد کیا ہے۔ دلباز خان اور حبیب اللہ خان کے مابین مکالمہ بھی قابل التفات و عبرت ہے۔ جب دلباز خان نے اس کی وجہ پوچھی، تو حبیب اللہ خان نے صرف اتنا کہا کہ ہم وزیروں سے زیادہ سے زیادہ افراد ملوث کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ بنوں کی طرف سے کم سے کم۔ دلباز خان نے کہا کہ گویا اس عہد نامے کی تعمیر ہی میں صورت خرابی مضمر ہے۔ یہ معاہدہ توڑنے کیلئے ہے قوموں کو جوڑنے کیلئے نہیں حبیب اللہ خان بے بس اور لاجواب تھے بولا دلباز خان میں معافی چاہتا ہوں کہ ہم نے آپ کو نظر انداز کر دیا اس پر ملک حمید اللہ خان برافروختہ ہو کر بول اٹھے نہیں نہیں دلباز خان کی کیا حیثیت کہ تم اس سے معافی مانگ رہے ہو دلباز خان ہم نے دانستہ طور پر تم کو اس عہد نامے میں شامل نہیں کیا جو کچھ بن پائے تم کر لو۔۔۔۔

دلباز خان موقع کی نزاکت کو سمجھتے تھے چپ اور خاموش بیٹھ گئے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اقوام غیر کے سامنے بنویان کی مزید سبکی ہو۔ بعد میں دلباز خان نے مجھے روداد بتاتے ہوئے سخت افسردہ دکھائی دینے لگے تھے۔ دلباز خان کی ذات بنوں کے لئے روشنی کا مینار تھی۔ پر وہ بنوں کے سیاسی شعبہ بازوں کیلئے ایک چیلنج بھی تھا وہ کچھ عرصے بعد اپنے بھائی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

سالار یعقوب خان شاہ بزرگ خیل

متناسب قدو قامت، دودھیا رنگت خوبصورت بڑی بڑی شربتی آنکھیں جن میں سرخی غالب رہتی تھی جیسے خون آلودہ ہو۔ درمیانی طول کی پیچ دار مونچھیں، گھنی بھویں، مسحور کن مردانہ آواز، دبنگ شخصیت کے مالک تھے۔ ساتھ سیاسی بصرت کے خاوند وہ بے بدل مقرر تھے۔ بڑے جی دار قسم کے انسان تھے۔ بول میں بڑی میٹھاس ہوتی ملنسار انسان اور باغ بہار طبیعت کے مالک تھے۔ بزم آرائی کوئی ان سے سیکھے، دوست دار اور دوست پرست شخص تھے۔ سالار صاحب پیدائشی عوامی لیڈر تھے عوام میں بڑے ہر دلعزیز تھے۔ شروع میں خلافت تحریک اور پھر خدائی خدمت گار تحریک سے وابستہ ہوئے سیاست میں نشیب و فراز اور قید و بند کے مرحلوں سے گزرے۔ پاکستان بنا تو بھی زیر عتاب رہے۔ پہلے آزادی کی جنگ لڑی اور اب حکومت کی بے التفاقی کا شکار ہوئے، ایک بار ان کے گھر کا اثاثہ قرقی ہوا اور پولیس ان کے بستر اور چارپائی تک لے گئی۔ اسلحہ بھی ضبط ہوا۔ مگر وہ جبر کے سامنے سینہ سپر رہے۔ وہ زبردست قوت ارادی کے مالک تھے۔

1946ء کا سال ہے۔ ان دنوں ہوں میں کانگرس کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ کانگرس کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے۔ ملک دمساز خان ان کا سیاسی حریف اور مدمقابل تھا۔ مگر سالار یعقوب خان نے زرد زور دونوں کو بے اثر کر دیا۔ اور کامیاب ہوئے تھے۔ سالار یعقوب خان بڑے مخلص دوست بھی تھے۔ ان کا شریک کار، ہمکار، خدائی خدمت گار دوست خان ملنگ 1953ء میں فوت ہوئے۔ تو وہ زار و قطار روتے رہے۔ اور جب خان ملنگ کے دفنانے کا وقت آیا۔ تو سالار صاحب اور ملک افضل خان دونوں قبر میں اُتر کر ان کی لاش سے چمٹ گئے اور اصرار کیا کہ انہیں بھی ساتھ دفن کیا جائے۔ رقت آمیز منظر تھا۔ بعد میں مشکل سے الگ کر دیا گیا۔ اور ان کا دوست مٹی تلے چلا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کن حالات میں خان عبدالقیوم خان نے وزیر اعلیٰ سرحد نے انہیں

کانگرس سے توڑا۔ ملک دمساز خان کے بجائے انہیں ضلعی مسلم لیگ کا صدر بنا دیا گیا۔ اور ساتھ ساتھ پارلیمانی سیکرٹری بھی شاید ملک دمساز خان کو زچ کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ وہ ان کا حریف تھا اور ساتھ سیاسی تربور بھی۔ ان کا کوئی سیاسی وارث بھی نہیں رہا۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے، سیاست ان کے گھر سے روٹھ چکی ہے۔ ان کا ایک رشتہ کا پوتا طاہر محمود ہے ان میں سیاسی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ مگر وہ ممبر و محراب کی زینت بنے ہیں، اور تبلیغ سے شغف رکھتے ہیں۔ انسان کے لئے دو راستے ہیں۔

؎ یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل

یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات

طاہر محمود نے خاک نشینی کو ترجیح دی یہ توفیق انسانی اور مشیت ایزدی پر منحصر ہے۔

پروفیسر ابراہیم خان

علاقہ بنجل کا باسی افغان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں متوسط غیر سیاسی خاندان کا فرد ہے۔جب وہ سکول کالج اور یونیورسٹی میں پڑھتے تھے جماعت اسلامی کیساتھ ان کی وابستگی رہی۔گویا پیدائشی جماعت اسلامی ہیں جو ان کے رگ ریشے میں شامل ہیں اس وقت پروفیسر صاحب صوبہ سرحد کی جماعت کے امیر ہیں قاضی حسین احمد کے دست راست سمجھے جاتے ہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں شرافت اور ذکاوت کا مجسمہ ہیں صورت اور سیرت دونوں حوالوں سے پرکشش اور مسحور کن شخصیت رکھتے ہیں دینی علوم کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں بااصول باعمل سیاست دان ہیں قول و فعل میں مطابقت رکھتے ہیں پروفیسر صاحب سخن دلنواز، جان پر سوز اور نگہ بلند کی مجسم تشریح معنی اور مفہوم ہیں سیاست ان کی وجہ شہرت نہیں بلکہ ان کی وجہ سے سیاست پاکیزہ اور برگزیدہ ہے وہ اپنی خوبیوں اور صوفیانہ صفات کے باعث امیر کارواں کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ابھی تو یہ جوان ہیں پروفیسر صاحب بنوں کیلئے بے بدل بطل جلیل ہیں اور جمیل بھی۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

سفینہ چاہئیے اس بے کراں کیلئے

اکرم خان درانی

محمد اکرم خان درانی عہد طفولیت ہی میں والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے ان کی ابتدائی تربیت ان کا دادا گلنواز خان خلیفہ نے کی اور پھر چچا حاجی سعد اللہ خان نے یہ ذمہ داری بطریق احسن نبھائی۔ محمد اکرم خان درانی در یتیم ثابت ہوئے۔ محمد اکرم خان درانی کا دادا خلیفہ گلنواز مرد مجاہد کے طور پر جانی پہچانی شخصیت تھے وہ فقیر آف ایپی کے معتمد خاص تھے اسی حوالے سے اکرم خان درانی کا تعارف ہوا جس نے بعد میں حق تعارف سچا کر دکھایا ان کے چچا حاجی سعد اللہ خان درانی بھی ممبر صوبائی اسمبلی رہ چکے ہیں جس نے بھتیجے اکرم خان درانی کیلئے اصول پرستی اور سچائی کے زرین نقوش چھوڑے۔ محمد اکرم خان درانی سیاسی افق پر درخشاں ستارہ بن کر ابھرے ہیں انہیں ہوش و جذبہ صدق اور صفاورتے میں ملا وہ بڑے مدلل تقریر کرتے ہیں ان کا جمیعت علماء سے تعلق ہے اور چار بار صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ اثر و رسوخ کے مالک ہیں نرم دم گفتگو گرم دم جستجو رکھتے ہیں ذہانت اور جرات کا مرقع ہیں۔ بنوں کو ان کی ذات میں ایک مخلص نوجوان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ قیادت ملی ہے وہ اس وقت صوبائی اسمبلی کے سردار ہیں گویا وزیر اعلیٰ سرحد ہیں ابھی ابھی انہوں نے ایک بہت خوبصورت خشخشی داڑھی بھی چہرے پر سجائی ہے جس سے چہرہ بارونق اور پرنور دکھائی دیتا ہے۔

داڑھی خدا کا نور ہے بے شک مگر جناب\
فیشن کے انتظام میں داڑھی کا کیا کروں

اقبال خان شاہ بزرگ خیل

خانزادہ اقبال خان حال ناظم بنوں ہیں خان صاحب ملک دمساز خان کے فرزند ارجمند ہیں 1943ء ان کی تاریخ پیدائش ہے وہ شاہ بزرگ خیل خاندان کے چشم وچراغ ہیں حقیقت میں لاکھوں میں ایک ہے۔ ہمہ صفت اور ہمہ جہت انسان ہیں پشاور انجنیئرنگ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہے اقبال خان ہمہ دان اور ہمہ زبان دان ہیں۔ پشتو، انگریزی، اردو، سرائیکی اور پنجابی میں خوب اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ جیسے ان کی مادری زبانیں ہوں وہ ہر فن مولا اور جامع اللسان ہیں۔

اقبال خان ذہانت فطانت اور دیانت کا بے بدل بنوں کے بطل جلیل ہیں مگر جلال پر جمال غالب ہے وہ ہر فن مولا کہلائے جانے کا مستحق ہے بہت سے شعبہ جات پر قدرت رکھتے ہیں شکاریات، سیاسیات، طبیعیات اور وکالت میں بے عدیل ہیں۔ انجنیئرنگ میں لاثانی یہ ان کا بنیادی شعبہ ہے۔ ان میں بعض خوبیاں اور خامیاں ورثے میں ملی ہیں۔ خان ازم ان کا خاصا ہے احساس برتری اور خود سری نے انہیں غیر مقبول بنادیا ہے زمانہ طالب علمی میں اچھے کرکٹر تھے۔ اقبال خان کا مطالعہ وسیع اور وقیع ہے گو انہوں نے ابھی ابھی سیاست کے کوچے میں قدم رکھا ہے وہ کم اموز نہیں ہے ان سے بے رویے ریا کے باعث اپنے بے گانے ناراض رہتے ہیں وہ اچھے لیڈر کے بجائے بہترین بیورو کریٹ دکھائی دیتے ہیں اگر وہ پیشہ وکالت میں آتے تو اپنے وقت کا وحید العصر ہو جاتے بعض اوقات قابلیت، قبولیت کو چاٹ لیتی ہے۔ اقبال خان کا بھی یہی المیہ ہے۔

ایک موازنہ

ملک دمساز خان	بمقابلہ	ملک اقبال خان
خان صاحب	//	حال ناظم ضلع بنوں
والد	//	فرزند
سیاسی	//	غیر سیاسی

عمر جان خان ایڈووکیٹ

عمر جان خان ایدووکیٹ ککی کے مردم خیز علاقے کے باسی تھے۔ بڑے لائق قانون دان تھے۔ جاندار شخصیت اور حساس طبیعت کے مالک تھے۔ خوش دل اور خوش رنگی ان کا خاصہ تھا۔ مگر بعض لوگ اوروں کو ہنساتے ہیں مگر خود دل من روتے ہیں۔ عمر جان خان ایڈووکیٹ اسی قبیلے کے انسان تھے۔ ان کا حلقہ اثر بڑا وسیع تھا۔ بڑے حاضر جواب قسم کے انسان تھے۔ بے عدیل مدلل بحث کار تھے۔ بڑے اچھے اور کامیاب وکیل تھے۔ سخنوری کوئی ان سے سیکھے۔ لاجواب۔ بے عدیل، بے مثل۔ وہ کنونشن مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر بنے۔ اپنی جادو بیانی، سحر کاری، سخنوری اور شرر فشانی کے باعث ایوان اقتدار کے ڈپٹی سپیکر چنے گئے۔ مگر یہ عرصہ مختصر رہا۔ ان کے مدمقابل منور خان ایدووکیٹ نے انتخابی عذرداری کا مقدمہ جیت لیا۔

عمر جان خان ایڈووکیٹ جب سیاست کے افق پر نمودار ہوئے۔ تو جمعیت علماء کا بنوں میں طوطی بول رہا تھا۔ اور بنوں پر ان کا راج تھا۔ اسی راج اور رواج کے باعث عمر جان خان ایڈووکیٹ کی سیاست کہر آلود تھی۔ مولانا صدر شہید ان کے لئے گرہن بن گئے۔

عمر جان خان ایڈووکیٹ متضاد خوبیوں اور خامیوں کے مالک تھے۔ زود فہم تھے۔ مگر زود رنج بھی۔ حساس طبیعت کے مالک تھے۔ جو آخر کار ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

مولانا صدر شہیدؒ

مولانا صدر شہیدؒ تبحر عالم دین تھے۔ دینی اور دنیاوی دونوں امور اور علوم سے بہرہ ور تھے۔ سیاست ان کی سرشت کا حصہ تھی۔ وہ صرف عالم دین ہی نہ تھے۔ بلکہ دنیاداری نبھانے میں بھی بے بہرہ نہ تھے۔ اپنی حکمت، دوراندیشی، معاملہ فہمی، تدبر اور ذہانت کے طفیل مدرسہ معراج العلوم کے مہتمم بنے۔ گویا دنیائے دین ودولت کے بے تاج بادشاہ ہوئے۔ مدرسہ کے ساتھ ملحقہ زمین پر جو کئی کنال پر محیط تھی۔ قبضہ کر لیا۔ اور ان پر کافی دکانیں تعمیر کی گئیں جو وجہ تنازعہ بھی ہوئے ہیں۔

مولانا معراج العلوم کا مہتمم بننے کا حق مولانا عجب نور کے بعد عالمان خواجہ مد کو پہنچتا تھا۔ مگر انہیں مولانا صدر شہید نے مات دیدی اور نظر انداز کر دیا گیا۔ مولانا صدر شہید زبردست اور ریکارڈ توڑ اکثریت کے ساتھ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ دوسری بار بھی ممبر بنے، مگر تیسری بار زبردست شکست سے دوچار ہوئے۔ اور ان کا دل ٹوٹ گیا۔ اور آخر کار زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

؎ وہ جو روٹھے یوں منانا چاہیئے

زندگی سے روٹھ جانا چاہیئے۔

خدا بخشے وہ زبردست سیاسی بصیرت کا خاوند تھا۔

(اناللہ وانا الیہ راجعون)

ملک اکبر علی خان سوکڑی

میں نے اسے بہت ہی ضعیف اور نحیف دیکھا۔ عمر کے اخری دہلیز پر کھڑا تھا۔ مٹیالی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے چوغا نما ڈھیلا ڈھالا قمیص، کھلا گریبان، خاکی رنگ کی مٹیالی پگڑی، ہاتھ میں عصا، مجسم سادگی، چھدری داڑھی، میانہ قد، یہ ان کا سراپا تھا۔ آج بھی میری آنکھوں میں ان کی تصویر محفوظ ہے۔ نیم وا آنکھیں اور دھیمی آواز تھی۔ وہ بڑے ہر دلعزیز انسان تھے۔ ہر کس ناکس کے کام آنے والے انسان، تحریک خدائی خدمتگار سے وابستہ تھے۔ ساری زندگی باچاخان کے پجاری اور پیروکار رہے۔ سیاست کے ابجد سے ناواقف، صرف اور صرف باچاخان کا شیدائی تھے۔ انگریز دشمنی میں پیش پیش رہتے۔

1946ء میں کانگریس کی ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔ صوبائی اسمبلی قاضی حبیب الرحمٰن مرحوم ان کے داستِ راست، مشیر اور وزیر تھے۔ قاضی صاحب اسمبلی حال تک انکی رفاقت اور رہنمائی کرتے رہتے۔

سنا ہے انکی جوانی بڑی ہنگامہ خیز گزری اکثر چند سر پھرے جوان ان کے جلو میں رہتے تھے۔ جوانی میں بڑا رعب، دبدبہ اور طنطنہ رکھتا تھا۔ بڑا مہمان نواز، ملنسار، پرہ جنبہ رکھنے والا تھا۔ ملک اکبر علی خان سیدھا سادہ پشتون طبع انسان تھا۔ ان کے دور میں علاقہ سوکڑی کا باہمی اتفاق واتحاد ضرب المثل تھا۔ جیسے کہ کہہ چکا ہوں۔ قاضی حبیب الرحمٰن صاحب ان کا ساتھی اور سایہ تھا۔ ہر وقت ان کے ساتھ ہوتے۔ آپس میں بڑی رفاقت رکھتے۔ قاضی صاحب اچھے خطیب اور شاعر بھی تھے۔ اپنی خوش آوازی کے باعث محفل کو زعفران زار بنا دیتے۔ وہ بلبل بنوں کہلائے جاتے تھے۔ قاضی صاحب کو بھی بنوں میں قبول عام حاصل تھی۔ قاضی صاحب انا پسند بالکل نہ تھا۔ دوست و دشمن دونوں کے کام آنے والا اور دونوں کے ساتھ جانے والا انسان تھا۔

ملک اکبر علی بڑے زمیندار تھے۔ ان کے پسماندگان میں ان کا ایک پوتا ملک عرفان خان ہیں۔ وہ بھی بڑے سادہ مزاج انسان ہیں۔ سیاست میں فعال کردار نہیں لیا کرتے۔ البتہ جمعیت کیلئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ ملک اکبر علی خان جوانی میں جو جذبہ ، ولولہ ، بہم جوش و اضطراب رکھتے تھے۔ بڑھاپے میں ٹھہراؤ ، رکھ رکھاؤ۔ ہوش اور سکون آگیا تھا۔ کیونکہ اب وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔

اب کہاں فانی وہ جوش واضطراف

کیا طبیعت تھی سنبھل کر رہ گئی



منور خان ایڈووکیٹ

منور خان ایڈوکیٹ (شاہ بزرگ خیل)

ممتاز ماہر قانون دان تھے۔ طبیعت میں رکھ رکھاؤ اور ٹھہراؤ ہوتا تھا۔ دل و دماغ کے مالک تھے۔ پر دلدار زیادہ تھا۔ کبھی کھبار دل کو عقل کی پاسبانی سے آزاد کر لیتا۔ تو اس وقت وکیل سے زیادہ ایک ٹھیٹ پشتون ہوتا۔ جبکہ وہ ایک کامیاب وکیل بھی تھا۔ قائدانہ صلاحیت رکھتے تھے۔ پر کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہ تھے۔ آزادانہ حیثیت سے مغربی پاکستان صوبائی اسمبلی کیلئے منتخب ہوئے یہ ایوب مارشل لاء کا دور تھا۔ وہ بہت جلد بطور ایک کامیاب پالیمنٹرین کے شہرت پا گئے۔ اور حزب اختلاف کے لیڈر چنے گئے۔ اپنی خداداد صلاحیت اور بے بدل مقرر ہونے کے باعث پارلیمنٹ پر چھا گئے تھے۔

جب گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان نواب آف کالاباغ کے خلاف ایک مقدمہ لیا تو ان پر بہت دباؤ آگیا تھا۔ مگر منور خان نے اس چیلنج کو قبول کر کے دباؤ کا مقابلہ کیا۔ اسطرح اسکی شہرت کو چار چاند لگے۔ مگر افسوس کا مقام ہے۔ کہ وہ کسی لغزش میں آکر کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ یہ ایوبی مسلم لیگ تھی۔ جو محلاتی کوشش کا نتیجہ تھی۔ جب یہ محل ذوالفقار علی بھٹو کے ہاتھوں زمین بوس ہوئی۔ تو کنونشن مسلم لیگ بھی تحلیل ہوئی۔ اور دوسرا پینترا تبدیل کیا۔ جسطرح مسلم لیگ کی روایت رہی ہے۔ جنہیں بعض لوگ اس متلون فطرت کے باعث اسے مسلم لیگ کی بجائے موسم لیگ یا کرسی لیگ پکارتے ہیں۔ کیونکہ موسم کے ساتھ رنگ بدلنا اور کینچلی اتارنا اس کا شیوہ اور وطیرہ رہا ہے۔ منور خان کے تین اور بھائی بھی تھے۔ یہ تینوں اپنے اپنے شعبے اور حلقے میں یکا اور بے ہمتا تھے۔

۲) : ملک امیر محمد حیات کامیاب سخت گیر رعب دار پولیس افسر تھے۔

۳) : ملک محمد افضل خان علاقائی مسائل حل کرانے اور نبھانے میں پیش پیش ہوتے

تھے۔سماجی برائیوں کے خلاف عملی اقدام اٹھاتے تھے۔جسکی پاداش میں انہیں شہادت بھی ملی۔وہ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ بھاری بھرکم جسم، متین اور سنجیدہ لب ولہجہ،خوبصورت، بڑی آنکھیں، سُرخ وسفید کُھلا مغلانی چہرہ۔مردانہ مونچھیں یہ سب ملکر انہیں دلآویز شخصیت بنا رکھا تھا۔ان کے پسماندگان میں نورافضل اور شیراز خان نام اور مقام رکھتے ہیں۔شیراز خان تبلیغ میں بھی دلچسپی لینے لگے ہیں۔

۴: ملک سرفراز خان تجارت پیشہ تھے۔کئی پیٹرول پمپوں کا مالک تھا۔ بہت خوبصورت لگتے تھے۔ خوبصورت مونچھیں بھی تھیں۔ بھائی کی طرح ناک و نقشہ ۔ سفید رنگت رکھتے تھے۔ اور توانا جوانی میں سنا ہے۔اچھے کبڈی بازی تھے۔ بہت ہی غریب پرور اور بے بسوں کے کام آنے والا مرنجان مرنج۔طبعیت میں بردباری۔حلیم الطبع انسان تھے۔المختصر یہ چاروں بھائی اتحاد اربعہ کے طور پر مشہور تھے۔سب میں یارانہ تھا۔جیسے دوست ہوں۔وہ ایک دوسرے کے تتمہ اور تکملہ تھے۔ان میں مثالی اتحاد واتفاق اور محبت تھی۔منور خان کی شکل وصورت پرکشش تھی۔ایک موقع پر مجھ سے حکیم عزیز الرحمٰن نے پوچھا کہ کیا میں نے ڈاکٹر محمد اقبال کو دیکھا تھا؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔تو انہوں نے بتایا۔منور خان ایڈووکیٹ ان کا ہم رنگ اور ہم شکل ہے۔ان دنوں منور خان بقید حیات تھے۔انہوں نے مزید بتایا۔ دونوں کا ناک ونقشہ ایک جیسا ہے۔جیسے ڈاکٹر اقبال کی ہو بہو عکس ہو۔منور خان بے عدیل وکیل ہونے کے ساتھ بے مثل دوست بھی تھے۔جب بھی ملتے تو دور تک اور دیر تک محفل کشی اور راز و نیاز کی باتیں ہوتیں۔ انہوں نے چند سال ہوئے، حرکت قلب بند ہوجانے کے باعث وفات پائی۔

کرنل امان اللہ خان سورانی

کرنل امان اللہ خان مرحوم علاقہ سورانی کے باسی، افغان قبیلہ مشکی خیل کے سرخیل ہیں۔ ہنوں کا بے بدل بطل جلیل ہیں۔ مضبوط اعصاب کے مالک پختہ ارادہ کا خاوند، بااصول، باتدبیر اور سخت گیر انسان ہیں۔ خوش پوش خوش اطوار، جیدار اور مرد میدان ہیں۔ فوج میں رہا نام پایا۔ ان کا پورا خاندان اپنی شائستگی اطوار کے لئے مشہور ہے۔ اس خاندان کے تقریباً افراد حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی رکھتے ہیں۔ تندرست وتوانا اور تعلیم یافتہ ہونے کے سبب فوج کیلئے مطلوب اور مفید ہیں۔ گویا یہ خاندان مارشل صفت ہے۔ ماضی میں عسکری خدمت اور ملازمت کے لئے اس خاندان نے موزوں افراد دیئے۔ کرنل امان اللہ خان کے والد گرامی بھی رسالدار دلاور خان بڑے دلاور، بلند وقد قامت، چھریرا بدن اور قابل رشک ہستی گزر چکے ہیں۔ وہ بھی ایک رسالہ کے رسالدار تھے۔ ساری زندگی پہاڑوں کی سخت، پتھریلی اور سنگلاخ حصے میں گزری۔ اس حوالہ سے انہیں غرہ بابا (پہاڑی باپ) کہا کرتے تھے۔

کرنل امان اللہ خان جب عسکری ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے تو بقایا زندگی علاقے اور عوام کی سماجی خدمت وترقی کے لئے وقف کردی۔ اور اس کام میں ہمہ تن مصروف رہے۔ حال ہی میں وفات پائی۔

نوٹ:۔ یہ قلمی خاکہ کرنل صاحب کی حیات ہی میں مرتب ہوا تھا۔

دلنواز خان ''فیض طلب منڈان''

دلنواز خان تعلیم یافتہ ہیں۔ شروع میں استاد بنے ۔ خود کو پیدائشی استاد ثابت کر دیا۔ پھر اعلیٰ سول ملازمت میں آئے۔ اور ترقی کرتے کرتے پی ایم جی بنے۔ محکمہ کو اعلیٰ کارکردگی اور اعلیٰ اقدار کے روش سے روشناس کر دیا۔ سینکڑوں افراد کو روزگار فراہم کرادی۔ بڑے انسان دوست شخص ہیں۔ مفاد عامہ ان کا مشن اور منشور ہوتا ہے۔ درمیانہ قد، نافربہ، نالاغر، نہ اونچا نیچا۔ متوازن اور متناسب قدو قامت رکھتے ہیں۔ دھیمے لہجے میں بات کرتے ہیں۔ جیسے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ لبوں پر ہر وقت مسکراہٹ بستی ہے۔ اور کھیلتی ہے۔ حلقہ یاراں میں ابریشم جیسے نرم و گداز، تعلق میں نرم اور گرم دکھائی دیتے ہیں۔

پاکیزہ رشتہ رُخنہ اخلاق کے خاوند ہیں۔ ذہین انسان ہیں۔ کم گو پر کم آمیز نہیں۔ ہر ایک سے ملتے ہیں۔ ہر ایک کا دل رکھتے ہیں۔ گویا صحیح معنوں میں دلنواز ہیں۔ ان کا حلقہ اثر وسیع ہے۔ علاقہ منڈان کا باسی ہیں۔ پر کوئلے میں ہیرا اور صحرا میں نخلستان کا درجہ رکھتے ہیں۔ مفید اور دلآویز انسان ہیں۔ ان کے دو بھائی اور ہیں۔ کرنل دلفراز خان اور کرنل مغل باز خان دونوں بڑے دلدار اور دین دار ہیں۔ ہر کوئی یہ چاہے گا کہ ہمیشہ ان کی محفل اور رفاقت میں رہے۔ کرنل مغل باز ڈاکٹر ہیں۔ جبکہ دلفراز خان اسوقت ضلعی نائب ناظم ہیں۔ تینوں بھائی ہم صفت، ہمہ صفت لوگ ہیں۔ ہوں کیلئے اثاثہ اور سرمایہ ہیں۔ دلنواز خان کئی ایک سماجی تنظیموں کے ممبر اور روح رواں ہیں۔ ان کی مالی معاونت بھی کرتے آئے ہیں۔ آج کل پشاور منتقل ہو چکے ہیں۔

باز محمد خان شہباز عظمت خیل

باز محمد خان غیر سیاسی خاندان کا سیاسی شخص ہیں۔ چالیس کے پیٹے میں ہوں گے۔ سرحد اسمبلی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ اس بار مُلا سے مات کر گئے۔ ہر دلعزیز سیاسی لیڈر ہیں۔ اچھے مقرر بھی ہیں۔ تبسم زیر لب رہتے ہیں۔ خوش باش خوش فکر انسان ہیں۔ کسی کی دلا آزاری کسی بھی طور سے منظور نہیں، اور خوش پوش۔ عطاء اللہ جان جو ایک قدیم سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ باز محمد خان کے سیاسی حریف تھے۔ ان کی وجہ سے عطاء اللہ جان خان اے این پی سے بیزار ہو کر تحریک کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ جو بعد میں پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تھے۔ باز محمد خان بنیادی طور پر شریف النفس انسان ہیں۔ بڑے ہنس مکھ اور دلآویز پرکشش شخصیت رکھتے ہیں۔ نرم مزاج ہیں۔ پیدائشی سیاست کار ہیں۔ ہر ایک کی دلا سائی کرتے ہیں۔ ان کی ہر ادا قابل تعریف، قابل التفات ہے۔ پڑھے لکھے سیاست دان ہیں۔ لاء گریجویٹ ہیں۔

مولانا علی اکبر صاحب ڈاڈکلہ

ایک عظیم مقامی مدرسہ کے بانی ہیں۔ اور مہتمم بھی۔ آج کل صاحب فراش ہیں گویا علیل، وہ دربار قومی اسمبلی کے ممبر بنے۔ دنیوی علم نہیں رکھتے پر جیدّ اور متبحر عالم دین ہیں۔ فصیح اللسان مقرر ہیں۔ درس و تدریس ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ صاحب تقوی، باصفا، خاموش طبع اور وضع دار انسان ہیں۔ طبیعت میں سادگی اور انکساری پائی جاتی ہے۔ سیاست کی مروجہ سیاسی چالوں کے شناسا نہیں ہیں۔ گویا وہ سیاسی داؤ پیچ کے ابجد سے بھی واقف نہیں۔ سیاسی دمنر ایما سے بیگانہ پر قلب اور ذہن منصفانہ رکھتے ہیں۔ یہ خاکہ جب مرتب ہونے کو تھا وہ بقیہ حیات تھے۔ اب وہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

مولانا علی اکبر صاحب اس شعر کے مفصل اور مجسم تشریح ہیں۔

عطاء اللہ جان خان میراخیل

باحوصلہ ،باکردار ،سیاسی گھرانے سے تعلق کی بناء پر جانے جاتے ہیں۔ سیاست ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ وہ باچا خان کے پیروکاروں میں بھی شامل تھے۔ مگر جب اے این پی میں باز محمد خان کو پذیرائی ملی تو وہ اے این پی سے بدظن اور بیزار ہوئے۔ اے این پی کے اکابرین کے خلاف نازیبا الفاظ بھی استعمال کرنے سے گریز نہ کیا۔

عطاء اللہ جان خان بے بدل مقرر تھے۔ سیاست اور کفایت شعاری ورثہ میں ملی تھی۔ اپنی مسحور کن شخصیت اور مظبوط اعصاب رکھنے کے باعث تھوڑے وقت میں جم غفیر کا جمع کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ایک بار صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔ اور وزیر ٹرانسپورٹ بھی بنے۔ وہ غریبوں کا والی اور خان مشہور تھے۔ وہ طویل القامت انسان تھے۔ کھدر یا مالیشیاء کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ انہیں دوران وزارت کینسر کا روگ لگا۔ علاج کے لئے بیرون ملک گئے۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ اور وفات پائی۔

یہ خاکہ : یہ خاکہ ان کی زندگی ہی میں مرتب کیا تھا۔ جب وفات پائی تو یہ آخری جملہ بطور ضمیمہ لکھنا پڑا۔

ملک بہادر خان بازید خیل

علاقہ سورانی کا باسی تھا۔ دہرا مضبوط گھٹا ہوا فربہ کسرتی جسم کا مالک تھا۔ درمیانی قد کاٹھ، کشادہ سینہ، کشادہ چہرہ، مغلائی خدوخال، سرخ و سفید رنگ، راکھ رنگ کے کپڑے چادر اوڑھے ہوئے گھنی بھویں، خوبصورت پیچدار مونچھیں گویا بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھا۔ واجبی تعلیم رکھتا تھا۔ والد ایک تجارت پیشہ ناخواندہ شخص تھا۔ چنانچہ انہیں سکول سے نکال کر منیم جی سکول میں داخل کرایا۔ جہاں انہوں نے تجارتی تعلیم اور گر سیکھا۔ وہ ہندی میں حساب کتاب اور کھاتہ وغیرہ جانتا تھا۔

ملک بہادر خان فروٹ مرچنٹ اور کمیشن ایجنٹ تھا۔ علاقہ سورانی بنوں کا رومی خطہ کہلایا جاتا ہے۔ جسکا خاص پیداوار میوہ ہے۔ امرود، انجیر، ناشپاتی اور انگور مشہور ہیں۔ میوہ منڈی پر ملک بہادر خان کا قبضہ تھا۔ انہوں نے اس مد میں خوب کمایا ان کے والد ملک میرزعلی خان بھی یہی شغل اور کاروبار کرتے تھے۔ جب ملک بہادر خان شعور کو پہنچے۔ جوان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ سب کاروبار اختیار بیٹے کے سپرد کردیا۔ اور خود زمینداری میں مصروف ہوئے۔

ملک بہادر خان نے کاروبار سیاست بھی شروع کیا۔ مگر پارٹی سیاست سے زیادہ گروہ بندی کی سیاست پر یقین رکھتا تھا۔ ان کا اپنا سیاسی گروپ تھا۔ جس کا ذہن اور دل ان کیساتھ ملتا تھا۔ عمر جان خان ایڈوکیٹ تھا۔ ملک بہادر خان، عمر جان اور پیر یحیٰ زمان اتحاد ثلاثہ کے طور پر مشہور تھے۔ یہ گروپ حبیب اللہ خان سابقہ جج و چیئرمین سینٹر کے گروپ میں شامل تھا۔ ان کا حریف گروپ سیف اللہ برادران تھا۔ ملک بہادر خان ساتھیوں سمیت کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہوئے ایک بار وہ صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی

منتخب ہوئے۔ جب جمعیت العلماہوں میں متعارف ہوئی۔ تو سب سیاسی پارٹیاں ماند پڑ گئیں۔ اسوقت ملک بہادر خان پیپلز پارٹی میں چلے گئے تھے۔ وہ انتخاب لڑے مگر سعداللہ خان درانی جو موجودہ اکرم خان درانی کے چچا ہیں۔ جمعیت کی ٹکٹ پر ملک بہادر خان کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔ ملک بہادر خان بڑے جیدار اور ٹھیٹ پشتون تھے۔ جب ناصر خان سن شعور کو پہنچے۔ تو کاروبار سیاست ان کے حوالہ کیا۔ ملک بہادر خان کینسر کے موذی مرض سے جانبر نہ ہو سکے۔ اور وفات پاگئے۔ ملک ناصر خان نے سیاست میں بہت جلد اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوئے۔ اور کئی بار اسمبلی کی رکنیت بھی حاصل کی۔ وہ مسلم لیگ (ن) کے فعال کارکن تھے۔ مگر جب نواز شریف کا ستارہ گردش میں آیا۔ تو ان کی کشتی سیاست بھی منجھدار میں رہ گئی۔ آج کل فکر فردا کے ساتھ دل بہلا رہے ہیں۔ اور پشاور مسکن بنایا۔

ملک نقیب اللہ خان صالح خان منڈان

ملک حمید اللہ خان جوان کے چچا تھے۔ اور جو بڑے ہر دلعزیز اور ذہین انسان تھے۔ انکی شہرت و دولت ملک نقیب اللہ خان کے حصے میں آئی۔

مگر بعد میں سیاست کے گرُ جاننے لگے۔ نشیب و فراز سمجھنے لگے۔ اور کئی بار صوبائی اسمبلی کے ممبر اور پھر وزیر بھی بنے۔ وہ حکومت سازی اور سینٹر سازی کے معاملے میں خود کو بادشاہ گھر کے طور پر تسلیم کروا چکے ہیں۔ محمد منیر شاہ ممش خیل اور ملک ریاض خان جوان کا تربور بھی ہیں۔ یہ دونوں ملک نقیب اللہ خان کے سیاسی حریف رہے ہیں۔ محمد منیر شاہ آج کل علیل ہیں۔ اور ملک ریاض خان اپنی سادگی سطح بینی اور تند و تلون مزاجی کے باعث ان کا راستہ روکنے سے رہے البتہ ایک صدارتی فرمان جسکی روسے ہر ممبر پر بی اے ہونے کا قدغن لگایا گیا ہے۔ بہتوں کو وقتی طور پر باہر رکھا گیا۔ مگر لگتا ہے۔ بعض دینی مدرسے جو ڈگریاں ساخت کرنے کے کارخانے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے یہ قدغن بے معنی ہو کر رہ جائیگی۔ فی الحال نقیب اللہ خان کا ستارہ گردش میں ہے۔ یہ مشکل بھی خدا آسان کر دے گا۔ کیونکہ خدا غفور و رحیم ہے۔

پروفیسر پیر اکبر شاہ

پیر اکبر شاہ سوشلسٹ نظریہ رکھتے تھے۔ وہ حکیم عبدالکریم پوپلزئی کے ساتھ ملکر پیپلز پارٹی کی بنیاد 1944ء میں رکھ لی تھی۔ اور پہلا اجلاس شعیاری میں ہوا جسکی صدارت بھی پیر اکبر شاہ نے کی تھی۔ عبدالرزاق ایڈوکیٹ بھی شریک تھے۔ یہ تینوں سوشلسٹ نظریات رکھتے تھے۔

مولوی عبدالرحیم پوپلزئی بڑے جید عالم دین تھے۔ اور اشتراکی نظریات کو اسلام کا تتمہ خیال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نظریہ اسلام سے متصادم نہ تھا۔ بلکہ سرمایہ درانہ نظام اسلام کا مخالف سمجھتے تھے۔ پیر اکبر شاہ بڑے مدبر، دانشور اور صیح معنوں میں جنیس تھے۔ انہیں زندگی بھر یہ دکھ رہا کہ اُن سے کسی نے استفادہ نہیں کیا۔ انہیں ضائع کیا گیا۔ واقعی اگر وہ کسی پالیسی ساز شعبہ میں ہوتے، تو اُن سے توقعات ہو سکتی تھیں۔ وہ ماہر اقتصادیات تھے۔ پاکستانی اقتصادیات پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان کے پاس اس باب میں ایک لائحہ عمل بھی تھا۔ جسے وہ بار بار حکومت کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ مگر شنوائی نہ ہوئی۔ ان کا اگر کوئی ہم پلہ ہو سکتا تھا۔ تو علامہ المشرقی تھا۔ مگر اسے بھی ضائع کیا گیا۔ حقیقت ہے کہ اگر پیر اکبر شاہ بنوں کے بجائے لاہور، پشاور یا کسی بڑے مرکزی مقام پر ہوتے۔ تو ایک دنیا ان سے متاثر اور باخبر ہو جاتی۔ مگر ان کی قسمت میں بنوں تھا۔ وہ صحرا یا جنگل میں گل لالہ تھا۔ جو تنہائی میں پھوٹا پھولا پالا خشک ہو گیا، تحلیل ہوا اور منتشر ہو کر خاک میں مل گیا۔

وہ محفل میں ہوتے ہوئے بھی تنہائی کا شکار رہتا۔ غیر معمولی قابلیت نے اسے قنوطیت کی طرف مائل کیا۔ وہ سوشلسٹ ہوتے ہوئے بھی نان سوشلسٹ تھا یا بنایا گیا۔ کیونکہ ان کا کوئی راز دان نہیں تھا۔ جو اسے سمجھ سکتا۔ وہ اپنے زمانے سے بہت آگے تھا۔ جہاں ان کی ابتداء ہوتی وہاں ہم جیسے نام نہاد دانشوروں کی انتہا تھا۔ ہم ایک دوسرے کو نہ سمجھ سکے اور انہیں احساس تنہائی سے دوچار کر دیا گیا۔

پیر اکبر شاہ میرے کولیگ بھی رہے ہیں۔جب ان کا تبادلہ ہوا تھا تو بھی جو تقریب ان کے اعزاز میں برپا کی گئی تھی۔اسمیں بھی انہوں نے شرکت نہ کی پیر اکبر اپنی ذات میں ایک انجمن ایک ادارہ تھے۔وہ بلا کے مقرر تھے۔مگر صرف انگریزی میں بار آور اور بامحاورہ تقریر کرتے تھے۔اگر کہوں Flow &Ebb کے ساتھ یعنی ان کی تقریر میں زیروبم ہو تا بڑی اثر آور ،زور دار اور فصیح وبلیغ تقریر کرتے۔ان کی تقریر میں گہرائی اور ماروائی کیفیت ہوتی تھی۔محسوس ہوتا تھا۔یہ عام آواز نہیں۔آواز دوست ہے۔ نوائے سروش ہے، متاثر کن اور مسحور کن۔

ایک بار جبکہ وہ میر انشاہ کالج میں پرنسپل تھا۔ہوں کالج میں میرے پاس آیا اور کہا شمشیر!میں نے تمہارا نام ڈائریکٹر کو بتایا ہے کہ شمشیر کو میر انشاہ کالج میں میرے پاس بھیج دیں اگر ایسا ہوا۔تو انکار نہ کرنا۔ازراہ مذاق میں نے وجہ پوچھی، کہا مجھ میں کونسی خوبی ہے۔جس کے باعث آپ مجھے چاہتے ہیں۔بولا!شمشیر تم میں یہ خوبی ہے کہ تم میں کوئی خوبی نہیں صرف اور صرف گفتار کے غازی ہو۔میں ہنسا اور صاد کیا۔پیر اکبر شاہ کا ایک ہمزاد یعنی بھائی فروز شاہ ایڈوکیٹ تھا۔دونوں اپنے شعبوں میں یکتا اور بے ہمتا تھے۔پیر اکبر شاہ کا یک فرزند لیاقت علی خان ایڈوکیٹ ہے۔وہ کامیاب وکیل ضرور ہے مگر والد کی طرح انگریزی نہیں۔وجہ سمجھ میں آنے والی ہے۔پیر لیاقت پہاڑی سکولوں اور کالج میں پڑھا ہے، کسی اچھے ادارے میں نہیں بھجوایا گیا مگر بنیادی قابلیت اور فطری صلاحیت کی وجہ سے پیر لیاقت اپنے اکثر ہم منصب وکیلوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔مجھے ان کی یہ ادا پسند ہے ،جب وہ اپنے کیس کو Fight کرتے ہیں تو مکمل طور پر Relaxed نظر آتے ہیں۔ وجہ؟ان کی خوب تیاری،بنیادی اور موروثی قابلیت ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم خان بابائے صحافت بنوں

ڈاکٹر محمد اسلم خان 1913ء میں پیدا ہوئے اور 73 سال کے بعد اس جہان فانی سے رخصت ہوئے 3 مئی 1986ء کی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز گورنمنٹ پرائمری سکول اسمٰعیل سے کیا۔ میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 بنوں شہر اور ڈاکٹری میڈیکل کالج لاہور سے ڈی، ایم، پی، ایس، کیا۔ ادب میں دلچسپی کے باعث بنوں کی ادبی تنظیموں ''فروغ ادب'' اردو ''ادارہ علم و فن'' اردو پشتو ادبی جرگہ، پشتو ادبی ٹولنہ ''پشتو تنقیدی ٹولنہ ''پشتو'' چشتیہ ادبی جرگہ '' کے سرپرست اور صدر رہے سماجی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بنوں اوپن سکاؤٹ ٹروپ کے بھی سرپرست تھے۔ آپ نے بنوں کی پسماندگی دور کرنے کیلئے ادبی سماجی و معاشرتی انقلاب برپا کرنے کیلئے ہفت روزہ ''ہلالِ نو'' کا اجرا کیا۔ بنوں میں صحافت کی بنیاد رکھی اور بابائے صحافت قرار پائے۔

آپ ایک بے باک قلمکار تھے صرف اپنے ہفت روزہ ''ہلال نو'' کیلئے نہیں۔ بلکہ روزنامہ ''نوائے وقت'' روالپنڈی، بانگ حرم ''پشاور، انگریزی روزنامہ ''خیبر میل'' پشاور انگریزی روزنامہ پاکستان ٹائمز'' وغیرہ کی بھی آبیاری کرتے رہے۔

صحافت ایک نازک آبگینہ

شعبہ صحافت ریاست کا چوتھا ستون ہوا کرتا ہے۔ مگر مقابلتاً صحافت ایک نازک آبگینہ ہے۔ جس کی راہ میں سنگ گراں کی بہت ساری رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں۔ صحافی نے ایک ہی وقت میں مختلف النوع ذمہ داریوں کی نبھانا ہوتا ہے اصلاح احوال۔ درست رپورٹنگ، ادب کے ساتھ رشتہ، روزمرہ اور صحت زبان کا خیال۔ مزید صحافت ایک ایسا محبوب ہے۔ جسکی عشوہ گری سب کیلئے مرغوب خاطر ہونی چاہیئے۔ جو بہت ہی مشکل کام ہے۔ اگر ناممکن نہیں گویا

؎ محبوب ما باشیوہ ہر کس موافق است

با من شراب خورد باز اہد نماز کرد

گویا صحافی کو وسیع المشرب اور وسیع الظرف۔ ہمہ صفت اور ہمہ جہت ہونا چاہیئے۔ نا سے نہ صرف حائل رکاوٹوں کا ادارک ہونا چاہیئے بلکہ دور بھی کرنا پڑتا ہے۔ ایک طرف حکومتی مشینری اور ایجنسیاں ہیں دوسری طرف متعلقہ معاشرہ ان سب کی متضاد ترغیبات، ترجیحات ہوتی ہیں۔ مزید معاشرہ ہیت ترکیبی کے لحاظ سے منقسم ہوتا ہے۔ سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں۔ جن کے مفادات ایکدوسرے سے متصادم ہوتی ہیں۔ حکومتی مشینریوں اور ایجنسیوں کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ صحافی کو ان سب کو رضامند کرنا پڑتا ہے۔ بصورت دیگر ان سب کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ نہ صرف شریک محفل رہتا ہے۔ بلکہ اسے شریک شورش محفل بھی بننا پڑتا ہے۔ میدان جنگ میں آگ و آہن اور گولہ و بارود کی بارش ہو تو بھی صحافی کو اپنی ذمہ داریاں نبھانا ہوتا ہے۔ کتنے صحافی روزمرہ کی فرائض کی بجا آوری میں جان سے ہاتھ دو بیٹھتے ہیں۔ اور شہادت کے درجے پر متمکن ہوتے ہیں۔ کیونکہ صحافی کیلئے صرف دو ہی راستے ہیں۔

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں

جو کوئے یار سے نکلتے تو سوئے دار چلے

یہ صحافت کہکشاں کا درجہ رکھتا ہے۔ جو ہم سب کی درست سمت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہوں کی یہ خوش نصیبی ہے۔ جو صحافت کے حوالے سے بڑا زرخیز ہے۔ یہاں صحافت کا درخشاں کہکشاں موجود ہے۔ یعنی ہوں میں ایک فعال تنظیم صحافت موجود ہے جس کا موجودہ ڈھانچہ یوں ہیں۔

1) صدر اجمل قمر

2) جنرل سیکرٹری صاحب میر

3) نائب صدر اعجاز خان

4) سینئر نائب صدر حیات میر

5) پریس سیکرٹری محمد عالم خان

6) جائینٹ پریس سیکرٹری عبدالمنان عادل

7) مجلس عاملہ : احمد حسن، میر اکبر خان، محمد اکرم خان، محمد سہیل خان، محمد اکمل خان

پاکستان میں جوہری صلاحیت حاصل کرنے کی کہانی تاریخ کی زبانی

آخر کار پاکستان نے جوہری صلاحیت حاصل کر لی۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو اس کے بانی و محرک ہیں۔ جبکہ عبدالقدیر خان ایٹمی توانائی کے خالق بتائے جاتے ہیں۔ جنہیں بھٹو نے ہالینڈ سے پاکستان درآمد کیا، گویا ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب بھٹو کی دریافت ہیں۔ بھٹو نے عزم صمیم کے ساتھ کہا تھا، کہ ہم گھاس کھائیں گے ہر قسم کی قربانی دیں گے۔ مگر جوہری توانائی حاصل کر کے ہی رہیں گے۔ جن کے بغیر فلسطین اور کشمیر کی آزادی ممکن نہیں۔ لیبیا کے حکمران قذافی اور سعودیہ عرب کے شاہ فیصل نے پاکستان کی مالی معاونت کی۔ اسطرح شمالی کوریا نے جوہری صلاحیت حاصل کرنے کے بدلے میزائل ٹیکنالوجی پاکستان کے حوالے کر دی۔ جناب ضیاء الحق نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔

امریکہ بہادر کو یہ سب کچھ ناگوار گزرا۔ وقت آنے پر ان سب کا مواخذہ کر دیا گیا۔ جناب بھٹو کو پھانسی لگی جناب شاہ فیصل شہید ہوئے۔ کرنل قذافی پر بم گرا دیا گیا۔ مگر وہ بال بال بچے۔ اور جناب ضیاء الحق کو فضا ہی میں تحلیل کر دیا گیا۔ ایران پر صدام کی طرف سے حملہ کروایا مگر جب صدام نے ہوش کے ناخن لئے تو عراق اور صدام دونوں کا حشر نشر کیا گیا۔ جناب ڈاکٹر قدیر خان کی خدمات کو خاک میں ملا دیا گیا اور انہیں زندہ در گور کر دیا گیا۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت امریکہ بہادر اور پاکستان کی مرہون منت تھی۔ مگر جب طالبان امریکہ کی معیار پر پورا نہ اُتر سکے تو اس کا بھی دھڑن تختہ کر دیا گیا۔ اُسامہ بن لادن کو روس کے خلاف استعمال کیا گیا۔ جب ضرورت پوری ہوئی تو امریکہ بہادر ان کے درپے آزار ہوا 11 ستمبر 2001ء کے بعد حالات نے ایک بار پھر پلٹا کھایا کیونکہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر ہوائی حملہ ہوا تھا۔ اب دشمن دوست اور دوست دشمن بن گئے اس وقت جناب صدر پرویز مشرف مشکلات اور آزمائش کی منجدھار میں پھنسے ہوئے ہیں،

امریکہ بہادر کو ان کی ضرورت ہے **پھر** آنے والا وقت بتائے گا صدر مشرف کا تدبر اور مقدر کہاں تک ان کا ساتھ دے گا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ **سکتا نہیں**

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

تمہید

عہد نامہ مابین قوم وزیر و اقوام بنوں (بنوی مروت)

فروری 1968ء میں چند تخریب کاروں نے جو قبیلہ وزیر سے تعلق رکھتے تھے۔ بنوں سے دو مروت کو اغوا کیا۔ اور ایک کو قتل کیا۔ جس پر بنویان نے شدید رد عمل دکھایا۔ بنوں میر انشاہ روڈ کی ناکہ بندی کی۔ اور 40 وزیری افراد کو یرغمال بنایا۔ جس پر وزیری قوم نے بنوں پر حملہ بول دیا۔ اور خونی تصادم ہوا۔ بعد میں مروت قوم نے بھی کمک کے طور پر حصہ لیا۔

نتیجے میں 12 کسان بنوں سے اور دو کسان مروت قوم کے شہید ہوئے۔ جبکہ وزیروں کی طرف سے بھی نا معلوم تعداد میں افراد شہید ہوئے حکومت اور قبیلہ محسود کی مداخلت سے یہ قومی اور خونی تصادم رک گیا۔ اور پھر محسود قبیلہ نے وزیروں اور اقوام بنوں کی مابین صلح کرادی۔ اور ایک عہد نامہ طے پا گیا جس کی نقل دی جاتی ہے۔

دستاویز صلح نامہ (تاریخی معاہدہ)

بسمہ اللہ الرحمٰن الرحیمہ

تمام قوم محسود نے بطور ثالث مابین فریقین ذیل قوم وزیر فریق اول و اقوام بنوچی و مروت فریق دوم تنازعات باہم کے سدباب کیلئے برائے آئندہ و مستقل طور پر ذیل فیصلہ کیا ہے۔ جس کے فریقین پابند ہو گے۔

ا) : کوئی فریق کسی حالت میں اور کسی وجہ سے بھی دوسرے فریق پر لشکر کشی نہیں کرے گا۔ جس فریق نے بھی پہلے لشکر کشی کی اس فریق سے قوم محسود دو لاکھ روپیہ کا نڑہ بطور جرمانہ وصول کرے گا۔ نیز قوم محسود اُس قوم یا فریق کی ہر قسم کی مدد کیلئے بر ملا کھڑا ہو گا۔ جس فریق کے خلاف لشکر کشی کی گئی ہے۔ لشکر کے مقصد سینکڑوں

۲) : کوئی فریق دوسرے فریق پر کسی قسم کا ڈاکہ نہیں ڈالے گا۔ نہ ہی اغوائیگی کی واردات کرے گا۔ جو فریق ایسا کرے گا۔ اس سے علاوہ تاوان یا نقصان یا جو کا یا روپیہ جو برائے رہائی مغویہ دیا گیا ہو، کے دس ہزار روپیہ بطور کانڑہ وصول کرے گا۔ اور قوم محسود اسے وصول کرنے کی ذمہ داری ہو گی۔ اور مغویہ گان کو بلا معاوضہ فوری طور پر رہا بھی کریگی۔ یہ تاوان یا کانڑہ اس شاخ سے قابل وصول ہو گا جس نے واردات کی ہو گی۔ اس تاوان یا کانڑے کا سرکاری جرم یا جرمانے کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو گا۔

۳) : نیز فریق ضرر رسیدہ کو یہ حق ہو گا۔ کہ مغویان کے بدلے میں اُس شاخ کے کسی آدمی یا آدمیوں کو بامداد حکومت پکڑوا کر زیر حراست رکھ سکتے ہیں۔ جبکہ اس کے مغویہ گان رہا نہ کئے گئے ہوں۔

۴) : اگر ضلع بنوں میں کہیں ڈاکہ ڈالا گیا ہو۔ یا واردات اغوا کی گئی تو اقوام مروت یا بنوچی ڈاکوؤں کا "منڈ" وزیروں کے جس شاخ کے حدود گاؤں میں داخل کریگی۔ وہ شاخ وزیران ڈاکوؤں کا پتہ دینے کی ذمہ دار ہو گی۔ اور اقوام بنوچی و مروت کی امداد بھی کریگی۔ اگر ایسا نہ کریگی۔ تو اس شاخ کو ڈاکو تصور کیا جائے گا۔ اور پھر اقوام مروت و بنوچی بامداد حکومت اس کے آدمی پکڑوا سکتے ہیں۔ جرمانہ وصول کر سکتے ہیں۔ اور تاوان وغیرہ کے بعد رہائی مغویہ گان سب کچھ ان سے وصول کر سکتے ہیں۔

مورخہ ۴ فروری بروزِ اتوار ۱۹۶۸ء

دستخط و نشان انگوٹھے فریق اول

ملک خاندان، ملک جہانگیر، ملک دریا خان، ملک گلمیر ے خان، ملک صادق خان
ملک جان خان، ملک سخی جان، ملک غازی مرجان، ملک زنگباز خان، ملک گلو فیجان خا[ن]
ملک بادشاہور، ملک حسن خان، ملک شیر جان، ملک عطا محمد خان، سردار حبیب اللہ خان
، نصر اللہ خان

دستخط فریق دوم

بانصاب حبیب اللہ خان جج مروت، نواب زادہ رحمدل خان، ملک بہادر خان، ملک حمید اللہ خان

دستخط منصفان قوم محسود

ملک صاحب، عبدالمالک خان شامی خیل، ملک صاحب میر بادشاہ، ملک صاحب محمد امین خان، ملک صاحب گلاب خان، ملک بوستان خان شاہ من خیل

تحریر: خٹک سردار علی زطل سماجی کارکن بنوں

بنوں کا شعر و ادب

شعر و ادب کسی ملک اور علاقے کے باسیوں کی شعور و آگاہی، فہم و ادراک کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ شاعر قوم کی آنکھ ہوتا ہے وہ دیدہ بینا اور چہرہ زیبائے قوم اور محفل نظم حکومت ہوا کرتا ہے۔ وہ فرش نشین ہو کر بھی عرش نشیمن ہوتا ہے۔ وہ قوم و ملک کا حساس حصہ ہوتا ہے، ہمدرد و غمگسار۔

مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم میں ہوتی ہے آنکھ

شاعر اپنی معجزہ بیانی سے ضرب کلیمی کا کام لیتا ہے۔ شاعر قوم کے اندر بیداری اور انقلاب کا نقیب ہوتا ہے۔ اگر شاعر یہ کام انجام نہ دے سکے اور اسکے بجائے افسردگی پھیلائے۔ تو شاعر اپنے کلام اور انجام سے بے خبر قوم کی تباہی کا تمہید بھی تو بن سکتا ہے۔

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

بنوں شعر و ادب کے حوالہ سے بڑا مردم خیز خطہ واقع ہوا ہے۔ ذیل میں میری معلومات کی حد تک چند چیدہ نمائندہ نئے اور پرانے چراغ کے نام سے شعراء کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ اگر وسائل نے یاوری کی تو مناسب وقت پر انشاء اللہ ان کی تخلیقی کاوشوں کا ذکر اور ان کا نمائندہ کلام بھی اپنے قاری کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

نئے و پرانے چراغ

نمبر شمار	نام	سکونت	عمر/تاریخ پیدائش	تعلیم
1	ماسٹر جمال خان	سکنہ غریب آباد	60سال	ایم ایڈ
2	محمد غازی سیال خان	سکنہ غریب آباد	70سال	
3	افتخار درانی ایڈووکیٹ	سورانی	50سال	ایل ایل بی
4	ماسٹر دلفراز خان	پیر خیل ککی	45سال	بی اے
5	محمد جمیل	سکنہ ہوچی نار خیل	1964ء	پنجم
6	ماسٹر فرمان اللہ وزیر	احمد زئی	1972ء	بی اے
7	رضا علی وزیر	بکا خیل	1975ء	ایف اے
8	سخی زمان شاکر	سکنہ جہانگیر ککی	1970ء	بی اے
9	نظر علی نظر			
10	عصمت اللہ خان عصمت	سکنہ پائی کلہ صابو خیل	1980ء	ایف اے
11	دمساز خان شاہین	سکنہ ملتان ککی	1971ء	ایف اے
12	بنات گل مسافر	سکنہ ملتان ککی	1958ء	ہشتم
13	اشرف علی سکندر	سکنہ ککی خاص	1977ء	ایف اے
14	مسرور			
15	اقبال حسرت سوں			
16	کفایت اللہ ہمدم	غریب آباد	1971ء	ڈی کام
17	عارف اللہ شعور	غریب آباد	1979ء	ڈی کام
18	رفعت اللہ رفعت	سکنہ بوزہ خیل	1984ء	دہم
19	ماسٹر طارق محمود دانش	سکنہ ککشی خیل	1975ء	بی اے
20	رئیس خان بے در	سکنہ داؤد شاہ	1941ء	پشتو، ایم اے
21	محمد ادریس خان	غوث امیر کلہ	1967ء	پشتو، ایم اے

22	شاکر اللہ شاکر		1977ء	ایف اے
23	شاہد			پشتو، ایم اے
24	دلنواز خان نوید			
25	عمران خان سراب		1967ء	پشتو، ایم اے
26	ادریس بیتاب	سورانی		
27	شاہد آیاز شاہد	سکنہ بھرت	1972ء	
28	شاہ جہان حسرت	سکنہ منڈان	1971ء	مڈل
29	فرید احمد خان فرید اعزاز	سکنہ خوجرام خیل	1959ء	بی اے
30	وکیل وزیر وکیل			
31	ثناء اللہ وزیر	سکنہ ممش خیل	1956ء	
32	یاسین شاعر طالب جا	سکنہ ممش خیل		
33	عطاء اللہ خان دوران	سکنہ ممش خیل		
34	ارشد خان ارشد	سکنہ داؤد شاہ	1972ء	
35	عبدالسلام بے تاب	سکنہ عادل	1967ء	بی اے
36	فرحت اللہ خان فرحت	سکنہ بازار احمد خان	1976ء	ایم اے
37	ارشد خان ارشد	سکنہ منڈان مئی کلہ	1979ء	دھم
38	عبدالکریم خیالی	سکنہ بہار منک خیل منڈان		
39	ارشد رحمان شاکر	سکنہ عادل کلہ	1973ء	بی اے
40	ضیاء الرحمن صیاد	سکنہ کوٹ عادل	1980ء	پرائمری
41	رشید خان نثار	سکنہ کوٹ عادل	1960ء	ہشتم
42	حزب اللہ شاہ سنگین	سکنہ کوٹکہ سادات رحمت شاہ		ایم اے پشتو
43	ناصر شاہ ناصر			
44	حیات شاہ حیات	سکنہ مشر داؤد شاہ	1983ء	ہشتم

45	مشتاق علی شاہ صابر	سکنہ داؤد شاہ	1982ء ایف اے
46	ریاض راحت	سکنہ داؤد شاہ	1978ء دھم
47	عطاء اللہ مہتاب	سکنہ داؤد شاہ	1979ء ایف اے
48	محمد ریاض سیلاب	سکنہ داؤد شاہ	1965ء
49	محمد ریاض	سکنہ گنڈلی	25سال بی اے
50	فاروق		
51	اجمل شاہ سائل	ممش خیل	42سال
52	بلال خان	سکنہ رحم داد ممش خیل	1973ء ھشتم
53	عمر زاد منتظر		
54	رحمت اللہ رحمت	سکنہ ممش خیل	1965ء
55	صاحب رحمٰن	سکنہ منڈان	1968ء ایم اے پشتو
56	عمر نیاز خان نیاز	سکنہ ہنجل	1982ء انجینئرنگ ڈپلومہ
57	عرفان اللہ عرفان		1986ء دھم
58	نظیف اللہ شاہ معصوم		1957ء دھم
59	فلک ناز عادل	صابو خیل	1966ء بی اے
60	محمد نسیم شاہ	سکنہ میتا خیل	1978ء ڈی کام
61	عزیز اللہ محسن	صابو خیل	1947 وٹرنری اسسٹنٹ
62	رحمت اللہ رحمت ولد اختر زمان	سکنہ ککی خاص	1974ء
63	رحمت اللہ رحمت ولد سید اللہ جان	سکنہ ہنجل	1966ء
64	محمد نسیم خان نسیم	سکنہ ڈومیل	1966ء میٹرک
65	سیلانی خان صابر	سکنہ بیڑی خیل منڈان	1983ء
66	ہارون سورانی	سکنہ بوزا خیل	1979ء بی کام
67	سید جمال	سکنہ قمر کلہ	1978ء دھم

68	امان اللہ خان امان عرف گلو خان	پائندہ خیل	1980ء	
69	ممتاز زمان مجبور سرحدی	سکنہ نور آمندی	1967ء	بی اے
70	جمشید علی	سکنہ بازار احمد خان	1961ء	ایف اے
71	محمد منیر راحل	سکنہ فتح خیل	1967ء	ایم اے پشتو
72	فری زاد مجبور	سکنہ گریڑہ شاہجہان	1970ء	مڈل
73	ظاہر اللہ ظاہر		1986ء	مڈل
74	انعام اللہ انعام	صابو خیل منڈان	1981ء	ایم اے پشتو
75	ظفر اللہ ظفر	سکنہ ملتان ککی	1975ء	
76	دلکشور محصور	سکنہ ہنجل نواب	1967ء	ایف اے
77	پشم خان ہشم	سرائے نورنگ	1968ء	ملازم پبلک ہیلتھ
78	محمد حسن ساجد ملنگ یار	سکنہ ہنجل	1965ء	دہم
79	روئیداد علی شاہ روئیداد			
80	محمود علی شاہ مخفی	سکنہ پریز خیل سورانی	1982ء	ڈپلومہ ٹیکنک
81	خان بادشاہ گوہر وزیر	سکنہ بکا خیل	1982ء	
82	گل شریم خاکی	سکنہ وزیران پٹنہ		
83	عبدالسلام تابش	سکنہ ممہ خیل	1982ء	
84	محمد یوسف ہمراز	سکنہ یارک خیل منڈان	1983ء	
85	جمشید ولد گل صابر	سکنہ پارک خیل منڈان		
86	نور محمد خٹک ولد شادی خان	سکنہ بازار احمد خان		
87	بندر شاہ مرحوم	سکنہ بازار احمد خان		
88	شریعت خان	سکنہ بازار احمد خان		مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے
89	پیر غلام استود	سکنہ مردی خیل		
90	جمال الدین مرحوم	سکنہ بازار احمد خان		

91 غلام غفار سکنہ طغل خیل

92 پلنگ شاعر مرحوم سکنہ گڑھی کلہ ان کا ہر جملہ شعر کے ڈھانچے میں خود بخود ڈھل جاتا تھا

93 دلباز خان مرحوم ان کے کلام میں انقلابی عنصر غالب تھا۔ سکنہ داؤد شاہ

94 سیر گل شاہ سکنہ سورانی

95 ممتاز علی خان خوجڑی بنوں کے نظیر ثانی سمجھے جاتے ہیں ان کا کلام طنز و
مزاح کیساتھ اصلاح کا ذریعہ ہے۔ ایم اے۔ بی ٹی

96 اسعد قریشی مرحوم بنوں سٹی شعراء بنوں کا تذکرہ بتعاون طاہر کلاچوی اور اثاری
گل اثار مرتب کیا اور نام سویلی ستوری رکھا جس پر
دیباچہ راقم نے تحریر کیا خود بھی صاحب دیوان
تھے۔ سکنہ بنوں شہر

97 اثاری گل اثار مرحوم دو شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں
نیم گڑی دنیا، بے قرارہ مینہ

98 طاہر کلاچوی مرحوم کلاچی سے تعلق تھا بنوں میں آباد ہوا دو شعری مجموعے شائع
ہو چکے ہیں ایک پشتو ایک اردو

۱) دمینے غیگ یعنی دامن الفت

۲) مضراب اردو کا مجموعہ کلام ہے

اثار اور طاہر صاحب دو قلب ایک جان دوست تھے اور دونوں ایک ہی دن رحلت فرما ہوئے۔ آثار بنوں میں اور طاہر کلاچوی پشاور ہسپتال میں وفات پا گئے۔

قبیلہ خٹک کا خاصہ

خٹک مجموعی طور پر وفاکیش، دور اندیش، کفایت شعار، ملنسار، تابعدار، بردبار، خوش گفتار، شکر گزار، ہوشیار، جفاکش، محنت کش، مہم جو اور خوب خو قوم سمجھی جاتی ہے۔

موازنہ و مقابلہ

راقم کا ذاتی مشاہدہ

1967ء میں مجھے بی اے کے طلباء کو سوشل ورک کیلئے میر انشاہ لے جانا پڑا زمین سنگلاخ اور پتھریلی تھی سرائے میر انشاہ کی جدید آبادی کیلئے نکاسِ آب کی اکثر نالیاں میرے طلباء نے کھودی ہیں۔ میرے ساتھ ہر قوم و قبیلے سے تعلق رکھنے والے طلباء شریک ہوئے تھے۔ بنویان وزیر، مروت اور خٹک ان کی مجموعی تعداد 40 تک تھی سوشل ورک بی اے ڈگری کے حصول کیلئے لازمی شرط ہوا کرتا تھا ان دنوں سوشل ورک NCC اور گائیڈنس گروپ اچھی شروعات اور تعمیری خدمات سمجھے جاتے تھے۔ موجودہ وقت میں ایسی تعمیری سرگرمیاں قصہ پارینہ اور یادگار دیرینہ بن چکی ہیں اس کے بدلے میں طلباء کے حصے میں ہڑبونگ، ہلڑبازی اور ہڑتال سازی جیسی تخریبی کاروائیاں آئی ہیں۔ معاف کیجئے بیچ میں یہ جملہ معترضہ حائل ہوا۔ مجھے اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرنا ہے۔ راقم نے طلباء کو چار گروپوں میں تقسیم کیا اور ان کیلئے ایک جدول مرتب کیا میں نے سائنیسی طریقے سے طلباء کی درجہ بندی کی اور مختلف شعبہ جات قائم کئے۔ جس شعبے میں جو گروپ اپنا نام اور مقام پیدا کیا وہ درج ذیل ہے۔

۱) طعام: بنویان طلباء صف اول میں رہے۔

۲) کام: وزیر طلباء سبقت لیتے رہے۔

۳) شائستگی اطوار: شہری طلباء سرخرو رہے۔

۴) سادگی اور معصومیت: مروت طلباء کا حصہ رہا۔

۵) جبکہ کفایت شعاری خٹک طلباء کا شعار اور فرض منصبی سے پیار۔

سوکڑی کریم خان

اصل نقل ہو بہو مطابق ریکاڈ محکمہ مال

بیان مالکان بابت حالات سابقہ دیہہ ۔ سوکڑی کریم خان

مضمون:

پہلے یہ رقبہ موضع سوکڑی ضابط خان کے ہوتا تھا، اور اس موضع میں حال حصول ملکیت ہماری کا تحریر ہو چکا ہے شادی خان سے لیکر کسی عرصہ تک بزرگان ہمارے موضع ندکور میں آباد رہے۔ عہد درانیاں میں جب درمیان ہم مالکان دھنگہ اور فساد ہونے لگا۔ تو مسمیان عبرت وشراک رحیات خان بزرگان ہمارے کے بصلاح باہم عناد قومی کے سبب اصل موضع سے اراضیات دیہہ ہذا مملوکہ خود کرلی اور ایک موضع جداگانہ قرار دیا۔ دوسرے حصہ دار موجودہ وقت منجملہ قوم سوکڑی بھی کسی قدر رقبہ دیہہ میں شامل کرلیا، تقسیم کا یہ حال ہے۔ کہ ہم مالکان دیہہ ہذا کی اکثر اراضیات موضع ضابطہ خان واقعہ ہیں۔ اور علی ہذا القیاس دیگر دیہات ہیں۔ اس لئے تقسیم درمیان ہماری ہوتی رہی۔ خواہ بحصہ جدی ہو، یا بحصہ رسمی۔ کل دیہات کی زمین کے جمع کرنے سے تناسب حصص کا ہو سکتا ہے۔ اور دیہی وار مقابلہ کی صورت میں کوئی مقدار پیمانہ ملکیت قائم نہیں ہے۔ بدیں وجہ پر ایک مالک زمین رواج قبضے کا مستمل ہے دوسری اقوام ذیل افغان اصل لیوت خیل، افغان اصل وزیر خیل افغان، اصل حسن خیل، اصل ممانخیل، افغان اصل کمل خیل افغان، اصل ٹنے افغان اصل سنیائے افغان اصل پیر خیل، افغان اصل کمل جمعہ خیل، افغان اصل ہنجل، افغان اصل قصوریہ، زرگر، رنگریز، اروزہ، کمہار بھائیہ، ملوانا، قریش، حجام ککے زئے، قصائی کے لوگ جسطرح دیہہ ہذا میں مالک ہوئے۔ یا جیسا ان میں قاعدہ تقسیم ہوا ہے۔ ان کا مفصل حال کو انف محاوی سب درج ہے۔ شاملات دیہی بدون وویال، راستہ کی نہیں ہے۔ اور وہ قابل تقسیم نہیں ہے۔ صورت دیہہ بھاچارہ مکمل ہے۔

وجہ تسمیہ :

بحالت شمولیت موضع سوکڑی ضابطہ خان کی ہمارے مورث نے اپنی آبادی جداگانہ تعمیر کرائی۔ بروقت علیحدہ موضع کی وہ آبادی، اس گاؤں کی آبادی تصور ہوئی۔ جس کا نام روز تعمیر سے کچھ مدت تک قلعہ شادی خان مشہور چلا آیا۔ جب عہد درانیاں میں بباعث حملہ کرنے مسمی ضابطہ خان نمبردار موضع سوکڑی ضابطہ خان کی یہ گاؤں ویران ہوا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم پھر آکر قابض ہوئے ہیں۔ جب حیات خان وغیرہ نے اسکو اصل موضع سے جدا کر لیا۔ تو نام اس گھڑی حیات خان سے نامزد ہوا۔

عملداری سرکار دولت مدار اسی نام سے موسوف چلا آیا۔ عملداری سرکار دولت مدار میں کریم خان نمبردار مقرر ہوا۔ بموجب رواج ملک نام نمبردار قوم اصل مالکان پر نام گاؤں سوکڑی کریم خان کی موسوم ہوا۔ جو اب تک زبان زد عوام الناس ہے۔ روز آبادی ثانیہ سے بدلہ آباد ہے۔ کبھی ویران نہیں ہوا۔ کوئی قلعہ کہنہ نہیں ہے۔

نظام مالگذاری :

عہد سکھائی میں اس سے پہلے کلنگ کا رواج تھا۔ اور اس کا کوئی مقدار معین نہ تھا۔ جب کوئی حاکم منجملہ حکام سرکار آجاتا۔ تو مناسب موقع کلنگ موقع پہ پر تجویز کرتا تھا۔ پھر اسکی باچھ، مشورت باہمی مالکان دیہات دیہہ وار کیا کرتے تھے۔ اور اس حساب کی رو سے جس قدر روپیہ ہمارے گاؤں پر آتا تھا۔ اسکو حسب قبضہ تعداد اراضی پر باچ گیر کی ادا کرتے تھے۔ جب عملداری سرکار دولمدار ہوئی۔ تو کچھ مدت تک کلنگ مقررہ سکھائی وصول ہوا۔ بندوبست سیر لول سب مبلغ ۹۷۸ جمع ہمارے گاؤں کی سرکار تجویز ہوئی۔ جسکو پیروی قبضہ تفریق کر کے ادا کیا۔ بندوبست سرسری درم سب بعد تخفیف مبلغ ۹۰۰ جمع دیہہ ہذا کی قرار پائی۔ وہ بھی بطور سابق باچھ ہو کر ادا ہوئی۔ اب تو ذرا عرصہ ہوا کہ کس قدر اراضی ہمارے تحت چھاڑ نے سرکار کے آگئی۔ اسکی برآمد ہوئی۔ مبلغ روپیہ ہمارے جمع سے تخفیف ہو کر مبلغ ۹۲۰ مشخصہ ہمارے گاؤں کا مقرر ہوا۔ جسکو حسب قاعدہ مندرجہ بالا باچھ کر کے سرکار سب داخل کرتے ہیں۔

متعدد دستخط

تپہ نورڑ

بیان مالکان بابت حالات سابقہ دیہہ نورڑ

مضمون :

پہلے رقبہ اس گاؤں کا قوم نی منگی کے قبضہ میں ہوا کرتا تھا۔ جس کا بید خل ہونا اور نکالا جانا اس ملک سے اور قابض و متعرف ہونا اقوام بوچی کا ایک قصہ مشہور ہے۔ تقسیم باہمی اقوام بوچی کا حال ہم نے شجرہ نسب کلیات میں درج کر دیا ہے۔ جب بموجب اس تقسیم کے یہ رقبہ جسکو فی زمانہ تپہ میریان بولتے ہیں۔ مسمی یرائی ہمارے مورث اعلیٰ کے قبضہ میں آیا۔ تو اس نے اس کا تردد لور آباد کرنا شروع کیا۔ پہلی عورت سے اس کا پسر نورائی پیدا ہوا۔ جب نورائی کی ماں وفات ہو گئی تو پھر اس نے دوسری عورت سے نکاح کر لیا۔ اس عورت ثانیہ کے ساتھ ایک لڑکا مسمی گڑیائی لور ایک لڑکی جس ک انم ہم کو یاد نہیں۔ پچیک کے ساتھ آشنائی ہو گئی۔ وہ دونوں موقع پاکر میرائی سے چوری کوہستان نکل گئے۔ اور قوم وزیران کے ساتھ بطور ہمسایہ گری رہنے لگے۔ تھوڑے عرصہ تک یہ بات پوشیدہ رہی۔ آکر کار جب یہ خبر میرائی کو پہنچی۔ اس نے گصہ میں آکرائی میراث اپنے بیٹوں کو تقسیم کر دی۔ گریٹ ائی کو علاقہ بھرت، شاہ دیو، بارک زئی کو تپہ بارک زئی لور نورائی کے حصہ میں رقبہ دیہہ ہذا کا آیا۔ چونکہ بباعث حرکت ناشائستہ باپ کی اس پر خفگی تھی۔ اس لئے اس نے اس کو سزاوار قرار دیکر اس گاؤں کا رقبہ بھی بارک زئی کو دیدیا۔ جب یہ خبر نورائی کو پہنچی تو اس نے قوم وزیران سے مدد چاہی انہں نے اپنا ہمسایہ جان کر پہلو تہی نہ کی۔ لور اس کے ء ساتھ ہو کر رقبہ پار ٹوچی پر قبضہ کرا دیا۔ اس نے قبضہ حاصل کر کے اپنی بودباش اختیا رکی۔ جب نورائی کی لولاد بڑھی۔ لور ان کو زیادہ رقبہ کی ضرورت ہوئی۔ تو انہوں نے قوم بارک زئی کے ساتھ لڑائی کرنی شروع کر دی۔ چونکہ قوم بارک زئی کی آپس میں ہمیشہ فساد و عناد رہا۔ اس لئے وہ مقابلہ نہ کر سکے تھوڑا رقبہ میرائی کی اولاد نے ٹوچی سے وار بڑھایا۔ پھر رفتہ رفتہ غالب ہوتے گئے۔ اور قوم بارک زئی کو بباعث نفاق باہمی ان کو پس پا کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ رقبہ جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے۔ اس وقت سے حاصل کیا ہوا ہے۔ جب ہمارے مورثان کا اس رقبہ

پر قبضہ مستقل ہو گیا۔ اور اقامت پذیر ہو گئی۔ تو ان کے مابین تقسیم اولی تین جگہ پر حسب ذیل ہوئی۔ سعد خان تپی جمال شاہ اور ولی انہیں حصص کی رو سے تقسیم اپنی نفع، نقصان کی کرنے کی اور تین قومیں ان کے نام سے نامزد ہوئی۔ جو اب تک مشہور ہیں۔ تفصیل ان کی حسب ذیل ہیں۔ سعد یو، ملیو، تپیو بعد ازاں جب ان کی اولاد بڑھی تو انہوں نے اوپر بارہ قوم کے حسب ذیل بارہ حصہ میں قوم سعد یو، قوم ملیو، تپیو مساوی تقسیم کیا۔

لیکن یہ تقسیم بنظر اندازی زمینداری حساب سے ہوئی۔ کچھ کمی بیشی رقبے کا لحاظ ہوا۔ اور ان بارہ اقوام پر بارہ اطراف قائم ہو کر اب تک موجود ہیں۔ مگر چونکہ آپس میں ایک دوسری طرف کی مالکان کے عموماً نوبت بیعہ و شراکت پہنچی۔ اس لئے عمل حصہ کا معدوم ہو کر ملکیت طرخوار با انسبت کسی پیمانہ کی قبضہ وار قائم ہوئی۔ اندرون اطراف کی جو حالت ہے۔ وہ ہم نے تفصیل وار کیفیات اطراف میں درج کیا ہے۔ کوئی تپہ مشہور نہیں ہے۔ دور آپس ایک خاندان کی اولاد کی جب کبھی تقسیم اولین ہوتی ہے۔ تو وہ حصہ جدی پر بموجب شریعت کی ہوتی رہتی ہے۔ بعد ازاں بباعث خرید و فروخت کی کمی بیشی کا وقوع ہوتا رہا ہے۔ جس وجہ عمل کر کے عمل حصہ کا نہیں ہے۔ قبضہ کا رواج ہے۔ اور ہم مالکان قوم متفرق کی جس طرح سے آمد ہوئی، اور جن جن وجوہات سے مالک ہوئے، اس کا مفصل حال محاذی ہمارے ناموں کی درج ہے۔ صورت گاؤں کی بوجوہات صدر بہ یا چارہ مکمل طرف وار ہے۔

بناء :

پہلے میرائی کی دخت میں اراضی موسومہ قبیلائی میں دو دفعہ آبادی بنائی گئی۔ جو پانی کی صدمہ سے معدوم ہو کر غیر آباد و بے نشان ہو گئے۔ تیسری دفعہ اراضی موسومہ زیر کلہ میں آبادی بنائی گئی۔ وہ بھی نشیب میں پانی کی صدمہ سے منہدم و غیر آباد ہو گئی۔ چوتھی دفعہ جب میرائی نے قوم بارک زئی کی لڑائی میں فتح پا کر کلی تسلی حاصل کی تو اپنی پرانی آبادی جو ٹوچی سے پار تھی، چھوڑ کر اسی جگہ آبادی بنائی اور آباد ہو کر اپنے نام سے اسکو نامزد کیا مگر بباعث غلط العام نورڑ مشہور ہوا۔ جو اب تک زبان زد عوام الناس درج کاغذات سرکار ہے۔ اور پرانی آبادی میرائی والی موسومہ کند غوڑہ مسمار ہو کر زیر کاشت ہو گئی۔ جو اب مزروعہ ہے۔ ایک کوڑکہ داخلی دیہہ ہذا قوم داؤد خیل

نے آبادی کلاں سے جانب شمال بفاصلہ تخمیناً ۹۰ کرم بنایا ہے۔ اور نام اس کا اپنی قوم کی نام پر کوٹلہ داؤد خیل مشہور کیا ہے۔ سوائے اس کے کوئی قلعہ دیرینہ یا تہہ کہنہ دیہی ہذا میں نہیں ہے

معاملہ /مالیہ :

ماضی میں عہد افغانیہ دانیہ میں کبھی ہم سے معاملہ نہیں کیا گیا۔ جب کوئی حاکم درانی تا ہم کوہستان غیر علاقہ کی طرف چلے جاتے۔ جب حاکم واپس چلا جاتا۔ ہم بھی اُتر جاتے اور پھر اپنی اراضی پر قابض ہو جاتے۔ یہی حال سکھوں کی عملداری میں بھیرہا۔ البتہ جب نونہال سنگھ آیا۔ تو ہم نے قوم میرائی کے ساتھ تیسرا حصہ ادا کیا۔ جب انگریز بہادر آیا، تو پہلے چار سال خام چہارم حصہ پیداوار.........ادھورا ہے!

بیان مالکان بابت حالات سابقہ دیہہ

گڑھی شیر احمد خان

پہلی رقبہ دیہہ ہذا ملکیت مسمیان خذر خان و خانصوبہ و ستائی خان و محمد شاہ قوم افغان اصل فاطمہ خیل کی ہوا کرتا تھا۔ عرصہ چار پشت کا ہوا کہ مسمے شیر احمد قوم افغان اصل الکوزی مورث ہمارا کہ جس سی سلسلہ نسب ہمارا حسب مندرجہ بالا ملتا ہے ملک قندہار سی بتقریب حصول ملازمت اس ملک مین آیا۔ دو تین سال تک موضع عابد خیل بشمولہ موضع حسن خیل تپہ بازار احمد خان مین بود باش رکھتا رہا۔ اوس ایام مین مالکان قوم فاطمہ خیل بباعث عدلوت مار دہاڑ مالکان موضع بازار احمد خان و دیہات تپہ منڈان سی تنگ ہو رہی تھی۔ لونہون نی مسمے شیر احمد مذکور کو واسطی امداد اپنی کی پانچوان حصہ ملکیت رقبہ دیہہ ہذا کا دیدیا۔ لور اوسنی آبادی رقبہ دیہہ ہذا مین بنائی اور آباد ہوا سبارہ، تیرہ سال تک شیر احمد مذکور پانچوں حصہ ملکیت دیہہ ہذا پر مالک و قابض رہا۔ جب چند مالکان دیہات تپہ منڈان دیہہ ہذا میں واسطی ملاقات شیر احمد مذکور کی آئی۔ تو لونکو مالکان قوم فاطمہ خیل نی قتل کر دیا مسمی شیر احمد کو قتل کرنا لونکا ناگوار گذرا تو لوسنی مالکان قوم فاطمہ خیل سی جنگ کیا۔ لوس جنگ مین مسمی شیر احمد معہ دو فرزندان خود مارا گیا۔ تو لوسوقت قوم فاطمہ خیل نی مسمیان نور احمد و جمعہ خان و آدمان لونکی سی صلح چاہی۔ عوض صلح کی کل ملکیت رقبہ دیہہ ہذا لو دو ناطہ دختران لونکو دیے۔ تب سی کل ملکیت رقبہ دیہہ ہذا ملکیت مسمیان نور احمد و جمعہ خان پسران مورث کی بحصہ ذیل جمعہ خان نور احمد قائم ہو گئی۔ جسپر وہ بالاشتراک بصورت زمینداری بالاجمال قابض رہی۔ جب عملداری سکھاں ان مین باہم حصہ داران متذکرہ صدر نفاق ہو کر تقسیم رقبہ دیہہ ہذا بموجب حصص مندرجہ بالا ہوئی۔ لیکن اسوقت کوئی طرف یاپتی مشہور نہیں ہوئی تھی۔ بعد ش اکثر مالکان اقوام متفرق نی باجازت اصلی مالکان قدری قدری اراضی واقعہ دیہہ ہذا حسب استطاعت خود مزروعہ کر کی زیر قبضہ ملکیت خود کر لی تب سی عملدرامد حصہ جدی کا معدوم ہو کر قبضہ پر عمل ہو گیا۔ لور نیز جب عملداری سرکار انگریزی اس ملک مین آئی تو اسوقت حدبست دیہات ہوئی۔ تو اکثر مالکان دیہات ملحقہ کی اراضی کٹ کر شامل دیہہ ہذا ہو گئی لور علاوہ ازیں بوقت بندوبست سری جب

پیمائش ہوئی۔ تو باعث اوسکی کہ پہلی باہم مالکان تقسیم کھیت وار بروئی نظر اندازی ہوتی رہی تھی۔ مقبوضہ ہر ایک مالک کم وبیش نکلا۔ اور جو جمع بندوبست سرسری مقرر ہوئی تو وہ بھی ہر ایک مالک پر حسب حیثیت اراضی بروئی پرتہ قسم وار تفریق ہو کر وصول ہوتی رہی۔ یہہ دو امر یہی قوی باعث شکست حصہ کی ہوئی۔ اور جب مسمی نور احمد لاولد مر گیا۔ تو میراث متوفی پر مسمیان یکم خان ودور قوم افغان اصل سیرو کہ مسمات کیتہ ہمشیرہ اونکی کی شادی ہمراہ نور احمد متوفی ہوئی تھی۔ دعویدار ہو بموجب شریعت بروئی مقدمہ میراث لاولد متوفی کی ۲۸ حصہ ہو کر بحصہ رسد تفصیل ذیل تقسیم ہوئے۔ صالح خان ولد جمعہ خان ۲۴ حصہ یکم ولد ایکم دوژ ولد صدر اور صالح خان لاولد مر گیا۔ تو میراث متوفی پر مسمی ایکم جی زوجہ جمعہ خان مالک و قابض ہوئی۔ اور جب مسمات ایکم جی لاولد فوت ہو گئی۔ تو میراث اور اوسکی بموجب مقدمہ مفصلہ ۲۲ دسمبر ۱۸۷۵ء لبلاسی جناب صاحب والاشان جناب مہتمم بندوبست بہادر ضلع ہوں سے نصرت جنگ خان ولد عبد لاحق کو عطا ہوئی۔ لیکن یہہ حصص بھی قائم نہیں رہے۔ اس خیال سی کہ بعد ازاں اکثر خرید فروخت مابین مالکان ہوتی رہی۔ جو کسی حصہ یا پیمانہ پر واقعہ نہیں اب کل گاوں میں ایک مالک کو دوسری سی کچھہ نسبت پیمانہ ملکیت کے نہیں۔ اراضی شاملات دیہہ سوائی اراضی زیر آمد راسھو دیال روخہ کی قابل تقسیم نہیں ہے۔ اور ہم مالکان مختلف ذیل نی افغان پوربہ سید قریش موہانہ باغبان پراچہ لوہار رنگریز برہمن پہلیہ اروزہ کھتری جسطرح سی ملکیت دیہہ ہذا میں حاصل کری اوسکا مفصل حال محاذ اسامی خود ہا درج کر لوباہی صورت دیہہ پہیاچارہ مکمل ہی۔

جب مسمی شیر احمد کو مالکان قوم فاطمہ خیل نی پانچواں حصہ ملکیت رقبہ دیہہ ہذا دیکر مالک بنایا تھا۔ تو اوسوقت اوسنی سکونت اپنی آبادے ساختہ طیار کردہ قوم فاطمہ خیل میں جو وقت حدود یہہ ہذا تھی اختیار کری۔ جسوقت مسمیان شیر احمد دیار احمد گل احمد جنگ فاطمہ خیل میں مارے گئے۔ تو مسمیان نور احمد و جمعہ خان کی عداوت شاہ بہرام کی ہو گئی۔ اوسنی خوف عداوت سکونت آبادے اولی کی چھوڑی اور آبادے اولی سی جانب جنوب فاصلہ دس قدم مرور عرصہ چالیس برس آبادی ثانی طیار کر کی سکونت اپنی اختیار کرلی۔ دو سال تک آبادی ثانی در کاشت ہوتی رہی۔ لیکن

نشان آبادی ثانی کی اسنک موجود ہیں۔ آبادی اولی روز آبادی سی برابر آباد ہے۔ کبی ویران نہیں ہوئی۔ وجہ تسمیہ اسطرح پر ھی۔ کہ جب آبادی اولی مالکان قوم فاطمہ خیل نی بنائی تھی۔ تو اوسوقت نام آبادی اولی کا کونکا فاطمی خیل مشہور کیا تھا۔ اور جب مسمے شیر احمد نی پانچوں حصہ ملکیت دیہہ ہذا کا لیکر سکونت اپنی اوس آبادی میں اختیار کری تو اولی کا تبدیل ہوکر موضع گڑھی شیر احمد مشہور ہوا۔ اور جب مسمی شاہ بہرام نی آبادی ثانی بنائی۔ تو نام آبادی ثانی کا بنام خود کونکا شاہ بہرام مشہور ہوا۔ جب سی نام اوس آبادی کا وہ ہی۔ چلا آتا ہی۔ اور یہہ ہی نام موضع شیر احمد کا غذات سرکاری میں درج ہے۔ آبادی یکجائی ہے۔ تہہ کہنہ یا قلعہ ویرانہ دیہہ ہذا میں کوئی نہیں ہے۔

عہد درانیان وسکھان مین ہم مالکان کو برائی محافظت ملک کلنگ اس موضع کا معاف تھا۔ اسواسطی کوئی قاعدہ تفریقکلنگ کا دیہہ ہذا مین مقرر نہیں ہوا تھا۔ جب عملداری سرکار انگریزی ہوئی تو بندوبست سرسری مین مبلغ دوسوپچیس روپیہ سالانہ جمع دیہہ ہذا مقرر ہوئی تھی۔ سو ہم مالکان دیہہ ہذانی اندد گانواپنی کی بورئی پرتہ قسم وار بہ تفصیل ذیل قسم اول فی کنال قسم دوئم فی کنال قسم سوئم فی کنال قسم چہارم فی کنال قسم پنجم فی کنال قسم ششم فی کنال اراضی مقبوضہ ہرایک مالک پر تفریق کردیا تھا۔ سواس تفریق کی روسی جسقدر روپیہ جس مالک کے ذمے آیا۔ اوسکوبایزادی رقومات سوائے درج نقشہ کہیوٹ کرادیا گیا۔ سو حسب اندراج کہیوٹ ہر ایک مالک سی زر دنگی اوسکا قسط بقسط وسول کرکی داخل خزانہ سرکار کردیتی ہیں۔

متعدد دستخط

میزانِ ماضی

ہندوستان (پاک وہند) کو قدرت نے نہایت زرخیز ملک بنایا ہے وسائل سے مالا مال۔ جسکی وجہ سے ہندوستان دنیا بھر میں سونے کی چڑیا مشہور تھا۔ اس وجہ سے مغربی اقوام نے ہندوستان کا رخ کیا۔ اور ہندوستان کے مالک بھی بن بیٹھے۔ یہاں کے باشندے ہمیشہ خوشحال فارغ البال اور آسودہ حال تھے۔ مگر انگریزوں نے اپنی حکمت عملی سے انہیں قحط و کال سے دوچار کر کے بدحال اور مفلوک الحال بنا کے چھوڑا۔ اور اکثریت کو فاقہ کشی پر مجبور کر دیا۔ خاص طور پر مالی اور ذہنی پستی سے دوچار کر دیا گیا۔

سر ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن تاریخ ہند جلد سوم میں بادشاہ علاؤالدین خلجی کے دور حکومت میں مختلف اشیاء کے نرخ یوں بتاتے ہیں۔ فی روپیہ کے حساب سے

گیہوں ۱۷۹ سیر یعنی ۴ من ۱۹ سیر فی روپیہ

چنا ۱۷۹ سیر یعنی ۴ من ۱۹ سیر فی روپیہ

جو ۲۲۴ سیر یعنی ۵ من ۲۴ سیر فی روپیہ

بورا کھانڈ ۱۵ سیر فی روپیہ

گھی ۳۲ سیر فی روپیہ

سرسوں کا تیل ۲۷ سیر فی روپیہ

لال کھنڈ ۳۴ سیر فی روپیہ

آزو ۱۷۹ سیر فی روپیہ

شہنشاہ محمد تغلق کے عہد میں

گیہوں فی من پختہ ۹ آنے	بھینس ۲۰ روپیہ
شکر سفید فی من پختہ	دھان فی من
بیل فربہ فی ۲۰ روپے	چاول فی من
مصری فی ۲ روپیہ	بکری فربہ ۲ روپیہ

نوٹ :اسی سال ہندوستان میں ابن بطوطہ آیا تھا۔ اپنے سفر نامے میں بنگال کی سیاحت کے بارے میں لکھتا ہے کہ بنگال گرانی کے زمانے میں ایک روپیہ کا ۳ من چاول فروخت ہوتا تھا۔ اور ارزانی کے زمانے میں ایک روپیہ کا ۱۶ من چاول فروخت ہوتا تھا۔ روئی ہنا کپڑا فی روپیہ ۳۰ گز ملتا تھا۔

نام بادشاہ	نام اشیاء	نرخ
فروز شاہ تغلق	گیہوں فی من	3 آنے
	گھی فی سیر	1/2 2 پیسہ
	چنا فی من	3 آنے
	شکر فی سیر	31/2 پیسہ
ابراہیم لودھی	غلہ فی روپیہ	10 من
اکبر بادشاہ	گیہوں فی روپیہ	8 من
	چنا فی من	5 آنے
	گھی فی من	
	میدہ فی من	13 آنے
شہنشاہ اورنگزیب	ڈھاکہ میں چاول فی روپیہ ۵۸۰ پونڈ	

اظہار سپاس

ہنوں میں کسرونہ

مفہوم: شہسواروں رزم بزم کارناموں اور گنتی داستانوں کو اشعار کے ڈھانچے میں ڈھال کر عوام اور خواص میں جذبہ تازہ اُبھارنے کے لئے یہ صنف سخن ایجاد ہوا۔ جسے پشتو نخواہ میں بڑی پزیرائی ملی۔اور شہرت عام بتائے دام کی سند عد ہوئی۔

ماضی میں گشتی موسیقار اور پیشہ ور گلوکار قریہ قریہ چنگ ورباب کے سروتال کتے ساتھ ساتھ گاتے تھے۔چوک اور حجرہ میں محفل آرائی برپا ہوتی تھی۔وہاں کیبا سی داد و دیش کا مظاہرہ کرتے تھے۔ سامعین اپنے اکابرین کے کارنامے سنتے اور خوش ہوتے تھے۔اور جوانوں کے جوش و جذبے کو مہمیز ملتی۔

شاعر اکثر و بیشتر ناخواندہ ہوتے تھے۔ مگر یہی پیشہ ور، گشتی موسیقار اور گماشتے رباب باز اس صنف سخن کے آمین ہوتے تھے۔اور سینہ باسینہ عوام تک یہ صنف سخن منتقل ہوتی رہی۔

ہنوں خاص میں یہ کسرونہ ثقافت کا اہم جزو ہوتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اب یہ سب کچھ زمانہ برد ہو چکا۔اب وہ نہ مجلسیں رہیں اور نہ محفلیں۔نہ وہ ولولے باقی ہیں اور نہ ہجے۔

؎ زمانے کے انداز بدل گئے

ہنار اگ ہے ساز بدل گئے

خوئی قسمت سے چند ایک کسرونہ عاقہ مروت سے محفوظ ہے۔اس کار خیر میں جناب خان حبیب اللہ خان مینا خیل سابق چیر مین سینٹ، جناب عبدالقادر صاحب بابائے پشتو جناب عبدلرحیم خان مجذوب میداد خیل اور مشرف خان وزیر کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ میں ان کے حق میں سر تاپا سپاس ہوں۔

پرفیسر شمشیر علی خان

میزان ماضی (جاری)

ماضی بعید میں اکثر و بیشتر کاروبارزندگی اور لین دین جنس کی صورت میں کیا جاتا تھا۔ مثلاً غلہ دیا اور گھی وصول کیا۔ مزدور کو بھی غلہ دیا جاتا تھا۔ کاشت کاری اور زراعت بھی امداد باہمی کے ذریعے کی جاتی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ حالات نے ایک اور کروٹ لے لی اور غلامی وقت کی ضرورت بن گئی۔ جس طرح آج کل بینکنگ کا نظام قائم و دائم ہے۔ ماضی قریب تک غلامی کا رواج رہا۔ غلاموں کو ضرورت کے تحت مختلف پیشوں کے حوالہ سے تقسیم کیا گیا۔ بعد میں یہ پیشے موروثی اور آبائی بن گئے اور اس طرح خاندانوں اور افراد میں اونچ نیچ کا فرق پیدا ہوا۔ نیچ ذات اور اونچی ذات کا نمایاں فرق وجود میں آ گیا۔ آج بھی مہذب دنیا میں یہ فرق پایا جاتا ہے۔ بعض خاندان اشرف اور بعض ازدل سمجھے جانے لگے۔ بقول اقبال

یوں تو سید بھی ہو، میاں بھی ہو، افغان بھی ہو
تو سب کچھ ہے یہ تو بتاؤ مسلمان بھی ہو

دھات کی ایجاد کے ساتھ مختلف سکے وجود میں آگئے۔ ماضی بعید میں سب سے پہلے کوڑیوں سے کام لیا جانے لگا۔ سونا، چاندی پھر دیگر مفرد دھات اور مرکبات کے سکے ٹکسال ہونے لگے۔ پیسہ بنیادی اکائی کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ ۸ کوڑیاں = ایک پیسہ جبکہ ۳ پائی = ایک پیسہ۔ ۲ پیسے = ایک ٹکہ۔ ۴ پیسے = ایک آنہ۔ ۱۶ پیسے = ایک چونی۔ ۲ چونی = ایک اٹھنی اور ۶۴ پیسے یا ۴ چونی یا دو اٹھنی = ایک

روپیہ۔ گویا کوڑی، پائی، پیسہ، آنہ، چونی، اٹھنی اور ایک روپیہ کے سکے مارکیٹ میں دستیاب تھے اور کاروبار حیات ان سکوں کے طفیل رواں دواں تھا۔

زمانہ آگے بڑھتا رہا کاروبار حیات پھیل گیا اور کاغذ کے نوٹ یعنی سکے وجود میں آئے۔ مثلاً ایک روپیہ، ۲ روپیہ، ۵ روپیہ، ۱۰ روپیہ، ۵۰ روپیہ، ۱۰۰ روپیہ، ۵۰۰ روپیہ اور ہزار روپیہ کے نوٹ وجود میں آگئے۔ 1960 کے عشرے میں فرانس سے مستعار اعشاریہ نظام پاکستان میں بھی جاری ہوا۔ یورپ میں سب سے پہلے یہ نظام جاریہ وساری تھا۔ اسطرح ۵ پیسے، ۱۰ پیسے، ۵۰ پیسے اور ۱۰۰ پیسے کے سکے ایجاد ہوئے۔

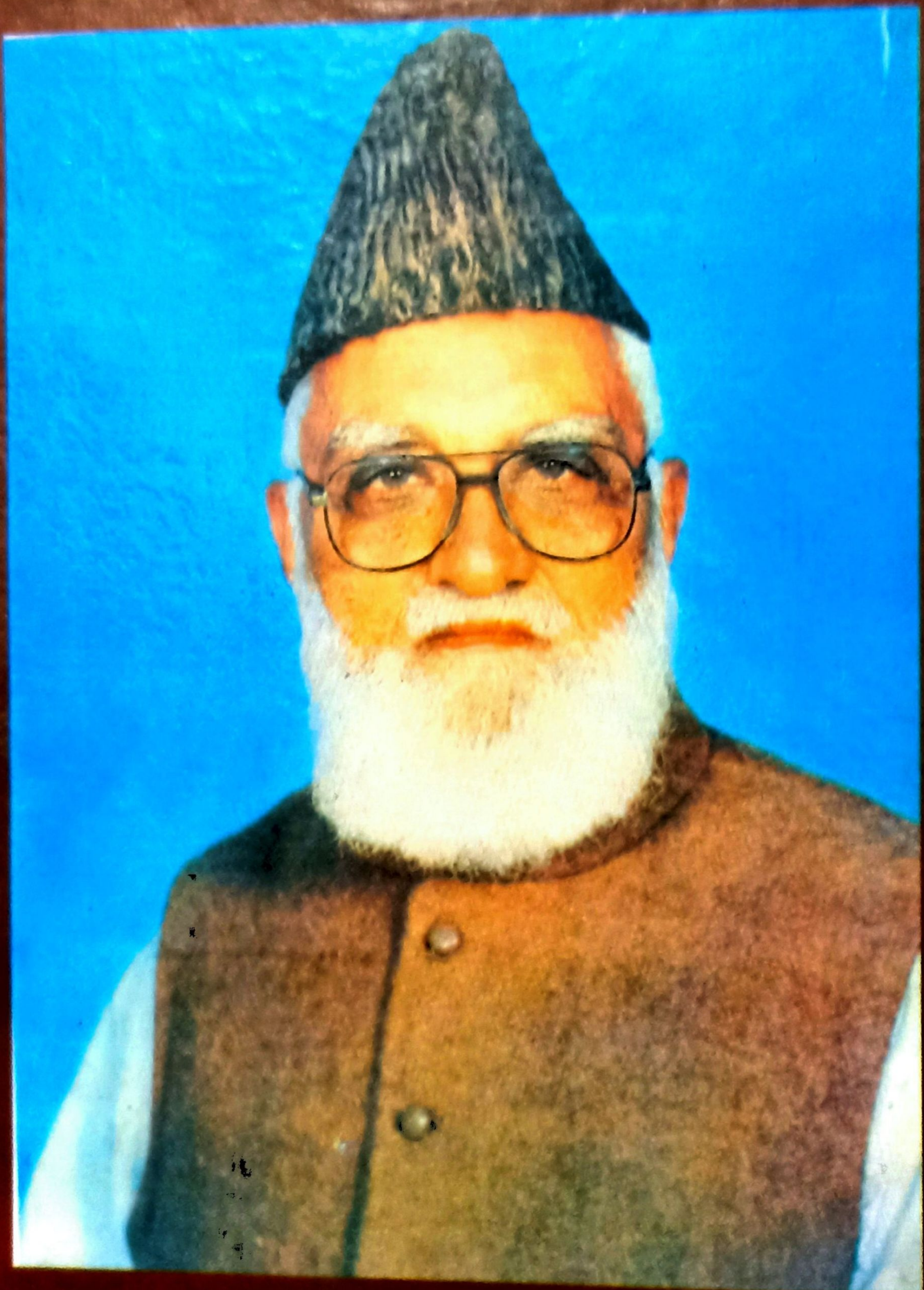
2000ء کے بعد ایک روپیہ اور ۲ روپیہ کے کاغذی نوٹ بند کر دیئے گئے اور اب یہ متذکرہ نوٹ مارکیٹ سے غائب ہو چکے ہیں۔

آلات کشہ ورزی

ماضی میں ہل، کدال اور بیلچہ اہم آلات کشہ ورزی تھے۔ ہل میں دو بیلوں کو جوتا جاتا تھا۔ پہیہ اور پھر مشینری کی ایجاد کے ساتھ انسانی محنت اور قدر میں کمی آگئی۔ ہل کی بجائے کھیتوں کو ٹریکٹر سے کاشت ہونے لگا۔ آبادی کے ساتھ ساتھ بنجر زمینیں قابل کاشت بنادی گئیں۔ جنگلوں کو کھیتوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ تعمیرات میں اضافہ ہوا۔ جنگلات غائب ہونے لگے اور شہر وجود میں آنے لگے۔ جنکے باعث بارشیں بھی غائب ہوتی جارہی ہیں۔ ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ پانی قوموں اور ملکوں کے درمیان وجہ

نزاع بنے گا۔ آئندہ جو جنگیں اور استحصال ہوگا وہ تیل اور پانی کے باعث ہوگا۔ فی الحال امریکہ مشرق اور مغرب کی واحد سپر طاقت ہے۔ گویا سوار الشہب دوراں ہے۔ دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں پر آزمائش کی گھڑی آنے والی ہے کیونکہ امریکہ کی مد مقابل قوت روس تحلیل ہو چکی ہے اور اسلام اور مسلمان ہی امریکہ کیلئے باعث التفات رہ گیا ہے۔





پروفیسر شمشیر علی خان